مَطبُوعَاتِ مُؤتَمَرُ المُصَنِّفِین

کتاب		مصنف	صفحات	قیمت
۱. حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد — ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳٦ صفحات	۱۲۵ روپے
۲. دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) — ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳. قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۴۰۰	۴۵ روپے
۴. عبادات و عبدیت — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۸۸	۸ روپے
۵. مسئلہ خلافت و شہادت — مرتبہ: مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۰۴	۱۰ روپے
٦. صحبتے با اہل حق (مجلد) — ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی	″	″ ″	۴۰۸	۷۵ روپے
۷. اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴٦۰	۹۰ روپے
۸. قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	″	″ ″	۹٦	۷ روپے
۹. کاروان آخرت (مجلد)	″	″ ″	۴۴٦	۷۵ روپے
۱۰. شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	″	″ ″		
۱۱. قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	″	″ ″	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲. قادیان سے اسرائیل تک	″	″ ″	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳. قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	″	″ ″	—	—
۱۴. میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	″	″ ″	—	—
۱۵. روسی الحاد	″	″ ″	۲۰۰	۴۵ روپے
۱٦. دفاع امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	″	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	٦۰ روپے
۱۷. امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات (مجلد)	″	″ ″	۲۷۲	۵٦ روپے
۱۸. علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات — امام ابویوسفؒ۔ امام محمدؒ (مجلد) جلد دوم	″	″ ″	۲۷۲	۵٦ روپے
۱۹. ادب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵٦
۲۰. امام اعظمؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست	″	″ ″	٦۴	۷
۲۱. خطبات حقانی (جلد اول)	″	″ ″	۱۲۵	۱۸
۲۲. کتابت اور تدوین حدیث	″	″ ″	۴۸	۷
۲۳. عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	″	″ ″	—	-
۲۴. مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	″	″ ″	۳۲	۵
۲۵. ساعتے با اولیاء (مجلد)	″	″ ″	—	—
۲٦. د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	″	″ ″	—	—
۲۷. کشکول معرفت	″	″ ″	۱۱۲	۲۴
۲۸. الحاوی علی مشکلات الطحاوی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵
۲۹. منحات السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	″	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰
۳۰. برکۃ المغازی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	
۳۱. اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵
۳۲. ارشادات حکیم الاسلامؒ	″	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	
۳۳. عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹٦	
۳۴. دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	″	″ ″	۱۴۴	
۳۵. دفاع ابوہریرہؓ	″	″ ″	—	
۳٦. افادات حلیم	″	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵٦	
۳۷. حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	″	″ ″	—	
۳۸. فضائل و مسائل جمعہ	″	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹٦	

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دار العلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشا

ماهنامه الحق اکوڑہ خٹک — جلد ۲۸، شمارہ ۹، محرم ۱۴۱۴ھ، جون ۱۹۹۳ء

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک کے سنگین بحران کا خاتمہ اور متحدہ دینی محاذ کا کردار

ملک کے موجودہ گھمبیر سیاسی بحران کے خاتمہ، ملکی سالمیت کے تحفظ، امن و امان کے قیام او
وطنِ عزیز کو غیر یقینی حالات سے نکالنے کے لئے بالآخر متحدہ دینی محاذ کے مرکزی رہنماؤں نے محاذ
کے کنوینر مولانا سمیع الحق مد ظلہ کی قیادت میں جولائی کے پہلے عشرے میں صدر مملکت او
وزیر اعظم سے مسلسل ایک درجن سے زائد ملاقاتیں کیں انہوں نے ان ملاقاتوں میں صدر اور
وزیر اعظم دونوں پر زور دیا کہ وہ اپنے ذاتی وقار، انا، اقتدار کے تحفظ، ہٹ دھرمی اور ناقابل قبول
فارمولوں کو چھوڑ دیں اور آپس میں بیٹھ کر مختصر سے مختصر وقت میں موجودہ سیاسی بحران کو پُر
امن طریقہ سے رفع کرنے کا راستہ نکالیں ورنہ متحدہ دینی محاذ اور اس میں شامل ملک بھر کی دینی
قوتیں کراچی سے خیبر تک عوام کو حقیقی صورت حال آگاہ کریں گی کہ اس بحران کے پس
منظر میں کون کیا ہے؟ اور کس کا کیا کردار ہے؟ انہوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد اور مخلصانہ
مساعی سے دونوں کو باہمی افہام تفہیم، ملاقات اور مذاکرات پر رضا مند کر لیا۔ نتیجتاً دونوں کی
ابتدائی ملاقاتوں اور ملک کو سیاسی بحران سے نکالنے کے ابتدائی فارمولے کی تشکیل میں مولانا
سمیع الحق اور ان کے رفقاء نے کلیدی کردار ادا کیا چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبدالوحید کا
کردار اور لانگ مارچ کا التواء بھی دینی محاذ کی تحریک اور اس سلسلہ مفاہمت و اصلاح اور ثالثی
کردار کی مربوط کڑیاں ہیں دینی محاذ کی موثر اور مفید مصالحانہ کاوشوں کا اعتراف خود صدر مملکت
جناب غلام اسحاق خان اور وزیر اعظم نواز شریف دونوں نے کیا اور ان کے کردار کو سراہا

ہمیں یقین ہے کہ دینی محاذ کی قیادت نے جس کار خیر کا آغاز خلوصِ نیت جاہ و منصب اور شہرت
و ناموری کی آلائشوں سے بے نیاز ہو کر خالص خدا کی رضا کے لئے کیا ہے بہت جلد بلکہ دو ایک
روز میں اس کے مفید ثمرات اور قوم و ملک کے حق میں بہترین نتائج ظاہر ہوں گے سیاسی
حالات کا اونٹ جس کروٹ بھی بیٹھے بہر حال بحران کا خاتمہ ہوگا اور اس کے اجر و ثواب اور
اخروی کریڈٹ سے متحدہ دینی محاذ کی قیادت بہرہ ور ہوگی۔

علماء حق ہمیشہ ظلم تشدد بے دینی الحاد اور طاغوتی قوتوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں ہمیشہ انہوں نے وطن عزیز کو سیاسی استحصال سے بڑی حد تک نجات دلائی ہے بالخصوص مولانا سمیع الحق اور ان کے رفقاء کی گذشتہ سالوں سے یہ ساکھ رہی ہے کہ اپنے اصلاحی اور اسلامی دینی مشن کے ہدف کے حصول میں وہ نہ جھکتے ہیں نہ بکتے ہیں اور نہ مداہنت اور ذہنی تحفظات کی خاطر تعمیر و اصلاح اور قومی سلامتی کے کام سے باز رہتے ہیں بلکہ ہر دباؤ لالچ جبرو استبداد اور تہمتوں و الزام تراشیوں کے ہزارہا اندیشوں کے باوجود اپنے مشن اور قومی و ملی فلاح کے کام میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ گذشتہ کئی ماہ سے نہایت کرب و اندوہ سے یہ دیکھ رہے تھے کہ اس ملک کے قیام بقا استحکام امن و امان نظام مصطفےٰ اور اسلامائزیشن کے لئے جو قربانیاں دی گئی تھیں وہ ہمارے حکمرانوں اور سیاسی قائدین کے خود ساختہ اختلافات کی وجہ سے پیوند خاک ہوتی جا رہی ہیں حالانکہ حکمرانوں سمیت تمام سیاست دان حلف اٹھا اٹھا کر یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ وہ استعماری ڈھانچوں کو ڈھا کر اس کی جگہ فلاحی اصلاحی اور اسلامی نظام برپا کریں گے لیکن اپنے عدوں کو یکسر فراموش کرکے یہ لوگ ایسی دشنام طرازیوں پر اتر آئے ہیں جو ان کے مقام و مرتبہ سے حد درجہ فرو تر ہیں سیاسی قائدین کی ان جارحانہ کاروائیوں کی وجہ سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ان کی ایک دوسرے کے خلاف گھٹیا نوعیت کی اشتعال انگیزیوں سے نہ صرف وطن عزیز بلکہ ساری قوم خمیازہ بھگت رہی ہے۔

متحدہ دینی محاذ کی قیادت نے یہ بھی دیکھا کہ قومی اسمبلی کی تحلیل اور پھر بحالی کے بعد جولائی کے آغاز تک ملک میں امن و امان کی صورتحال گھمبیر سے گھمبیر تر ہوتی جا رہی تھی ہر طرف انانیت خودروی مفاد پرستی بلکہ ملکی سالمیت سے کھیلنے والے جرائم پیشہ افراد کا راج چلنے لگا تھا ملک کے سیاسی افق پر روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی تاریکی تھی کہ لحظہ بہ لحظہ اپنے پاؤں پھیلاتی جا رہی تھی شب دیجور کی زلفیں دراز تر ہوتی جا رہی تھیں اور ”کظلمت فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکدیرا ھا“ کا منظر تھا قومی قیادت اور ملکی سیاست ایک ایسے بحران کا شکار تھی جس کا آخری نتیجہ اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور تباہ کن نظر آ رہا تھا جس کا مشاہدہ اس ملک کے بد قسمت عوام بھٹو، یحییٰ خان اور ایوب خان کے دور میں دیکھ چکے تھے۔ حکمرانوں سمیت سیاست دان اپنے اپنے سیاہ

اعمال کے ذریعہ تاریکیوں کے تسلط کو مزید مستحکم کر رہے تھے ایسے ماحول میں سادہ لوح مسلمان روشنی ہی کو ترس گئے وہ ایسے حالات سے دو چار تھے جس کو قرآن کے "ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور" سے تعبیر کیا ہے ہمارے جسد سیاست میں جس پیمانے پر فساد پھیل چکا ہے اور کردار و اخلاق سے عاری افراد جس طرح ایوا نہائے سیاست کے وارث بنے بیٹھے ہیں منتخب ہونے کا اعزاز سر پر سجانے والوں نے اپنے طرز عمل سے اخلاق و کردار کا جس طرح جنازہ نکال دیا ہے نہ خریدنے والے باز آئے نہ بکنے والوں میں شرم و حیا کی کوئی رمق دکھلائی دی۔ منتخب ارکان کے لئے ہاسٹلوں میں رقص و سرود کی محفلیں سجائی گئیں شراب و شباب سے ان کی راتوں کو رنگین بنانے کا اہتمام کیا گیا مگر پھر بھی باور کرایا جاتا رہا کہ اس عمل سے ملکی استحکام اور جمہوریت کو فروغ ملے گا اب کون یہ پوچھے گا کہ انسانی اقدار کا جنازہ نکال کر کردار و اخلاق کو حرف کی غلط کی طرح مٹا کر اور اصول و ضوابط کا قتل کرکے جمہوریت اور ملکی سالمیت کی کونسی خدمت کی جا سکتی ہے؟ اس نوعیت کی خود ساختہ جمہوریت ہی نے تو پاکستان کو ذلت و رسوائی کے ایسے گڑھے میں گرا دیا ہے اب جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔

دراصل بحران کے آغاز ہی سے ملک کی سیاسی اور بعض مذہبی قوتیں (جو ارباب حل و عقد اور بحران کے خاتمے میں موثر کردار ادا کر سکتی تھیں صدر وزیر اعظم اور قائد حزب اختلاف کے کیمپ سے وابستہ ہو کر بحران کی شدت اور تقویت کا باعث بن گئیں جوں جوں بحران بڑھتا گیا ان لوگوں کے اپنے اپنے سیاسی کیمپ سے وابستگیوں میں مزید استحکام ہوا نتیجتاً بحران میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر جب عبوری حکومت کا مرحلہ آیا تو سیاسی قائدین مفاہمت صلح باہمی اعتماد ملکی سالمیت کی خاطر بحران کے خاتمے کے لئے موثر کردار ادا کرنے کے بجائے اپنے سیاسی اور دینی کیریئر کی پرواہ کئے بغیر فریقین کے ساتھ اپنی وفاداریوں کے اظہار اور ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا بعض قوتوں نے وزارتوں کے حصول کے لئے جس تعجیل اور بے تدبیری اور نا مصلحت اندیشی کا ثبوت دیا اپنے کردار میں وہ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار نظر آئے دوسرے فریق سے وابستہ سیاسی قوت نے اپنے ماضی کے مسلسل کردار اور تاریخی روایات کو اس قدر داغدار کر دیا کہ مستقبل میں نہ وہ ماضی کے رہے اور نہ اپنا مستقبل بنا سکے۔ قائد حزب اختلاف کی جانب سے لانگ مارچ کی

منصوبہ بندی اور پھر اسی کی جانب سے اس کے التواء کے ڈرامائی انداز نے اس کے وفاداروں اور محبین صادقین کو جس طرح حیرت و استعجاب اور رسوائی و تذلیل اور تاریک مستقبل کی اندھی کھائیوں میں دھکیل دیا خدا کرے کہ اس سے ان کی چشم عبرت بھی وا ہو سکے جو اپنے شانے پر بٹھا کر اسے دوبارہ لیلائے اقتدار سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے۔

جہاں تک لانگ مارچ اور اس کے علمبرداروں اور اتحادیوں کی بات ہے یہ بھی ہرگز کوئی نیا اقدام نہیں یہ قائدین اس سے پہلے بھی ایک وقت اسلام کے نام پر متحد ہونے کسی غاصب و بدکردار حکمران کے خلاف لوگوں کو سڑکوں پر آنے مزاحمت کی تحریک کو کامیاب بنانے اور اسلام کو عملاً بر سر اقتدار لانے کے عنوان پر جدوجہد میں جان و مال ڈالنے کی قربانی پیش کرنے کی دعوت دیتے رہے ہیں عوام ان پر اور ان کے اتحاد پر اعتماد کر کے وہ سب کچھ نچھاور کر دیتے رہے ہیں جو ان کے پاس تھا جب مقصد پورا ہوا تو سب اسلامی نظام اس کے انقلاب مشن سے نو دو گیارہ ہو گئے یہ کھیل گذشتہ ۴۴ سال سے مسلسل کھیلا جا رہا ہے اور بد قسمت مسلمان اس کھیل میں تاش کے پتوں اور شطرنج کے مہروں کی طرح ان کے اشاروں پر گھروں سے نکلتے متحرک ہوتے اور جانوں پر کھیلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کھیل میں ارباب سیاست تو ہمیشہ نفع میں رہتے وہ ہر ہر مرحلہ پر بھیس بدل کر اور لیبل تبدیل کرتے پھر سے عروس اقتدار سے ہمکنار ہو جاتے ہیں مگر سینکڑوں گھر اور ہزاروں افراد ان کی تماشہ گری کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ قائد حزب اختلاف کی لانگ مارچ بھی اسی قسم کی ایک کڑی تھی جو متحدہ دینی محاذ کی مخلصانہ مساعی اور سیاسی حکمت عملی کے نتیجہ میں وزیر اعظم صدر ملاقات جنرل عبدالوحید کے کردار اور پس پردہ دینی محاذ کے قائد مولانا سمیع الحق کی دی ہوئی و رکنگ لائن کے نتیجہ میں ٹل گیا۔ جمہوریت کی بحالی ہو یا اسلامی نظام کا قیام ہو سب کے لئے علماء نے فساد فی الارض کا راستہ کبھی اختیار نہیں کیا یہ تباہی کا راستہ ہے اس سے تعمیر نہیں ہوتی تخریب ہوتی ہے۔

بہر حال تنزل و انحطاط خود غرضی و مفاد پرستی اور یاس و قنوط کے ایسے حالات میں متحدہ دینی محاذ کی قیادت کا حکمرانوں کے درمیان مصالحت کا دانشمندانہ اقدام روشنی کی ایک کرن امید و توقع کا سہارا ملکی سالمیت کے تحفظ کی پیش رفت اور پر امن باد سحر کا ایک جھونکا ثابت ہوا جسے قومی

پریس کے سنجیدہ باشعور طبقے اور اس کی سالمیت کے سچے بہی خواہوں نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھا بین الاقوامی پریس بھی ہزار ناچاہتوں بنیاد پرستی کے اتہمات بین اسطور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے عزائم کے باوصف مولانا سمیع الحق کے اس کردار کے اعتراف پر مجبور ہوا مولانا سمیع الحق نے اول روز سے ذمہ دار حریف قوتوں پر دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ ہمارے نزدیک ملک کا نظام دیانتداری کے ساتھ باہمی اعتماد یگانگت اور صاف ستھرے تعلقات کار کے طریقے پر اسلامی اصولوں کے مطابق چلانا چاہئے مارشل لاء آمریت فسطائی طرز سیاست اور جبر و استبداد کے طریقے اس ملک کے مزید بگاڑ اور تباہی کے باعث تو بن سکتے ہیں مگر خیرو فلاح کی کوئی راہ اس ملک کے لئے ان کی مدد سے ہر گز نہیں نکالی جا سکتی در اصل جذبہ خیرو اصلاح مفادات ذاتی مقاصد سیاسی وابستگیوں حزبی و جماعتی گروہ بندیوں دینی اقدار سے بے نیازی اور نور الٰہی سے محرومی نے ہماری سیاست کے موجودہ غیر انسانی اور غیر اخلاقی انداز کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے حکمرانوں اور سیاست دانوں کا فرض ہے کہ وہ آسمانی کرنوں سے اپنے قلب و نظر کو منور کرنے کی سعی کریں متحدہ دینی محاذ کی قیادت کی غیر جانبدارانہ مساعی کی قدر کریں اور ان کی دی ہوئی ورکنگ لائن اور قرآن و سنت کے ہدایات پر کاربند ہوں اور یہ عہد کر لیں کہ ہر ازم اور ہر نظام کو مسترد کرتے ہوئے صرف اور صرف اسلامی نظام سیاست کو اپنے ہاں ترویج دینے کے لئے جدوجہد کریں گے تب ہی ہمارے سیاسی افق پر پھیلے ہوئے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹنے لگیں گے اور نوری کرنیں ہمارے تاریک ماحول کو ضو بار بنا دیں گی (عبدالقیوم حقانی)

شیخ الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

عقلِ سلیم اور قرآن کریم

خدا کی ہستی کا انکار نہیں کر سکتے

خدا کی ہستی کا مسئلہ دین و مذہب کا پہلا بنیادی مسئلہ ہے اور چونکہ انسان کی عقل سلیم کے لیے خود اپنے وجود کی طرح خدا کا وجود بھی ایک بالکل بدیہی حقیقت ہے جس کے لیے کسی منطقی بحث و استدلال کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لیے قرآن کریم نے جہاں بھی اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہے وہاں اس نے انسانوں کی صحیح اور سلیم عقل سے صرف یہ اپیل کی ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو بلکہ خود تم اس کا ایک جزو ہو۔۔۔ اس میں ذرا غور و فکر کرو تو خدا کی قدرت اور اس کی کارفرمائی کی کھلی نشانیاں تم خود اس میں پالو گے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنھار والفلک الّتی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من مّاءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الرّیاح والسحاب المسخر بین السمآءِ والارض لاٰیات لقوم یعقلون۔ (البقرہ ۱۶۴)

اس آیت میں قرآن مجید نے زمین و آسمان کی ساخت، رات دن کی آمد و رفت کے مقررہ نظام، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کی چلت پھرت، بارش اور اس کے آثار و نتائج، ہواؤں کے تغیرات اور آسمانوں اور زمین کے درمیان ایک خاص نظام کے تحت رہنے والے بادلوں کی طرف اشارہ کر کے انسانوں سے کہا ہے کہ ان چیزوں میں غور کرو۔ پھر سورۃ انعام میں ارشاد ہے۔

ان اللہ فالق الحبّ والنوٰی یخرج الحیّ من المیّت ومخرج المیّت من الحیّ ذالکم اللہ فانی تؤفکون۔

یقیناً اللہ ہی ہے پھاڑنے والا دانے اور گٹھلی کا۔ وہی نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ انسان برابر دیکھتے ہیں اور تجربہ کرتے ہیں کہ غلہ کے کسی ننھے سے دانے کو یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دبا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ دانہ اور گٹھلی اندر ہی اندر پھٹتے ہیں اور ان میں ایک نہایت نرم و نازک ریشہ نکلتا ہے اور وہ زمین کو چیرتا ہوا اوپر نکل آتا ہے تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس دانے کو یا گٹھلی کو زمین کے اندر کسی نے قاعدہ سے شگاف دیا اور کسی نے اس بے جان اور سوکھے ہوئے دانے یا گٹھلی میں سے وہ ہرا جاندار ریشہ یعنی اکھوا نکالا۔ پھر وہ ریشم کے دھاگے سے بھی زیادہ نرم ہوتا ہے کس کی کارفرمائی سے زمینوں کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نکل آیا؟ — تو قرآن پاک کی اس آیت میں بتلایا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے اور اس کی کارفرمائی سے ہوا۔ (ان اللہ فالق الحب والنوی)

آگے فرمایا اسی طرح تم دیکھتے ہو کہ ایک بے جان چیز میں سے جاندار چیز پیدا ہو جاتی ہے مثلاً قرآن مجید انسان کے اس روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ کو سامنے رکھ کر کہتا ہے کہ یہ سب کرشمے اللہ ہی کی قدرت کے ہیں اور کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اور سورہ ذریت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ (اور یقین لانے والوں کیلئے زمین میں ہماری نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں اور خود تمہارے اندر بھی ہیں تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا؟)

مطلب یہ ہے کہ انسان اگر اپنی بصیرت سے کام لے اور دیکھنا چاہے تو زمین کے طول و عرض میں ہماری ہستی اور ہماری قدرت کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں اور خود انسانوں کے وجود میں بھی ہماری کچھ نشانیاں موجود ہیں وہ اپنے ہی بارے میں ذرا غور کرے کہ ماں کے رحم میں اس کی یہ حسین و موزوں صورت کس نے بنائی۔ کس نے دیکھنے والی آنکھ بنائی؟ کس نے سننے والے کان بنائے؟ کس نے ذائقہ لینے والی زبان بنائی اور سونگھنے والی ناک بنائی؟ کس نے اس کی زبان کو گویائی دی؟ کس نے ماں کے پستانوں میں اس کے لیے دودھ کی نہر جاری کی؟ کس کے قبضہ میں اس کی زندگی اور موت ہے؟ انسان اگر خود اپنے بارے میں ان سوالوں پر غور کرے تو ہر سوال کا جواب اس کی عقل یہی دے گی کہ سب کچھ نظر نہ آنے والی ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہی اللہ ہے۔

اور سورہ نحل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔

اور تمہارے لیے مویشیوں میں غور و خوض و عبرت کا پورا سامان ہے۔ ہم تم کو ان کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا ان میں تم غور کرو ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں،

جن میں ہر وقت خون دوڑتا ہے اسی طرح غلیظ فضلہ کا ایک خزانہ ہے اور اس کے راستے ہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ رنگ کے ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور بدبودار غلاظت بھری رہتی ہو اسی کے قریب سے لطیف اور صاف سفید دودھ نکلتا ہے جس میں نہ خون کے رنگ کی کوئی آمیزش ہوتی ہے اور نہ غلیظ فضلہ کی بدبو کا کوئی اثر وہ پینے والوں کے لیے کیسا خوشگوار، خوشذائقہ اور نفیس مشروب ہے تو ذرا سوچو کہ کس کی کاریگری ہے کیا جس بےچاری گائے یا بھینس یا بکری میں سے دودھ نکلتا ہے یہ اس کا فعل ہے؟ کیا کسی انسان نے دودھ کی یہ عجیب و غریب زندہ مشین بنائی ہے —؟ نہیں ہرگز نہیں — یہ صرف اس حکیم و خبیر ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے اس ساری دنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں خدا کی ہستی ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں اور سوالیہ انداز میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ان اللہ شك فاطر السمٰوات والارض۔ (کیا تمہیں اللہ کی ہستی میں شک ہے جو تمام آسمان و زمین اور ان کے اندر کی ساری کائنات کا بنانے والا ہے)۔

قرآن کریم نے اس مختصر سوالیہ جملہ کے ذریعہ انسانوں کے سامنے غور و فکر کے لیے زمین و آسمان کی ساری وسعتیں رکھ دی ہیں۔

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے ان کی روشنی اور انکی گرمی یا خنکی کو دیکھتا ہے زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے اس میں دریا اور پہاڑ دیکھتا ہے باغات دیکھتا ہے لہلہاتے ہوئے کھیت دیکھتا ہے ان سے پیدا ہونے والا غلہ اور میوے اور پھل کھاتا ہے ان کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور ان کی خوشبو سونگھتا ہے اس سے پیدا ہونے والی بےشمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کے عجیب و غریب خواص و اثرات سے فائدہ اٹھاتا ہے پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادہ اور فیصلہ سے ایسی بن گئی ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی سائنٹسٹ یا صناع انسان کی صناعی کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی عقل سلیم و بصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول نہیں کر سکتی کہ یہ سب کسی حکیم و خبیر ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے جو خدا کی ہستی کے قائل نہیں تھے اس عاجز سے اس موضوع پر گفتگو کرنی چاہی، میں نے کاغذ کا ایک پرزہ اپنی جیب سے نکال کر ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ اگر میں آپ سے کہوں کہ اس

کاغذ پر جو حروف لکھے گئے ہیں وہ کسی لکھنے والے نے نہیں لکھے ہیں بلکہ آپ سے آپ لکھے گئے ہیں تو کیا آپ میری بات مان لیں گے ؟ اور اگر اسی طرح میں اپنی اس گھڑی کے متعلق کہوں کہ یہ کسی بنانے والے نے نہیں بنائی بلکہ آپ سے آپ بن گئی ہے یا اگر کسی دوڑتی ہوئی موٹر کے متعلق آپ سے کہوں کہ یہ کسی کارخانے میں نہیں بنی بلکہ یہ آپ سے آپ بن گئی ہے اور کوئی ڈرائیور اس کو نہیں چلا رہا بلکہ یہ آپ سے آپ دوڑ رہی ہے اور ہر موڑ پر خود ہی قاعدے کے مطابق مڑ جاتی ہے تو آپ میری ان باتوں کو باور کر سکیں گے ؟ یا ان کا امکان بھی تسلیم کر سکیں گے ؟ ان صاحب نے جواب دیا کہ ان میں سے تو کسی بات کو بھی عقل تسلیم نہیں کر سکتی — میں نے ان سے کہا۔ " میرے بھائی ! گھڑی اور موٹر جیسی چیزوں کے متعلق تو آپ کی عقل تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ آپ سے آپ بن گئی ہیں اور کاغذ کے اس پرزہ پر جو ٹیڑھے ترچھے چند حروف لکھے ہوتے ہیں ان کے متعلق بھی آپ کی عقل نہیں مان سکتی کہ یہ آپ سے آپ لکھے گئے ہیں لیکن زمین و آسمان اور چاند، سورج جو ایک حیرت انگیز نظام کیساتھ چل رہے ہیں اور ان سے بھی زیادہ عجیب انسان کی ہستی، اس کا دل و دماغ، اسکی لاکھوں رگوں اور نسوں کا نظام اسکی آنکھیں، اس کے کان اور اس کے ذائقہ لینے والی اور بولنے والی زبان، ان سب کے متعلق آپ کی عقل یہ مان سکتی ہے کہ یہ بغیر کسی کے بنائے آپ سے آپ بن گئے ہیں ؟ پھر میں نے ان سے کہا کہ جس طرح آپ کے نزدیک یہ بات بدیہی اور ناقابل بحث ہے کہ کاغذ کے اس پرزہ پر جو حروف لکھے گئے ہیں ان کو کسی لکھنے والے نے لکھا ہے اور اس گھڑی کو کسی نے بنایا ہے اور یہ موٹر بھی یقیناً کسی کارخانہ میں بنی ہے اور اگر وہ چل رہی ہے تو یقیناً کسی چلانے والے کے چلانے سے چل رہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بات بدیہی اور قطعاً ناقابل بحث ہے کہ زمین و آسمان، چاند، سورج اور انسان و حیوانات اور یہ ساری کائنات کسی حکیم و خبیر اور کسی کامل قدرت والی ہستی کی بنائی ہوئی ہے میری یہ گفتگو اور میرا یہ استدلال قرآن ہی کی روشنی میں تھا اور خدا کی ہستی کے بارے میں یقین و اطمینان پیدا کرنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے ہاں توحید اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مسئلہ ایسا ہے کہ اگر وحی کی رہنمائی نہ ہو تو انسانی عقل اس میں بہت ٹھوکریں کھا سکتی ہے اور گمراہ قومیں زیادہ تر اسی وادی میں بھٹکی ہیں اس لیے قرآن کریم میں اس کے ہر پہلو پر بہت زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ گویا اس کا خاص موضوع ہے۔

از ڈاکٹر عبد العظیم محمود الدیب[1]
مترجم: مولوی عبد الرزاق ندوی[2]

مغربی تحقیقات کا نہج و اسلوب

اسلام کی تحقیر و تذلیل یورپین فکر و سوچ کا اساسی جزبن چکی ہے

خیال تھا کہ مستشرقین کے بارے میں اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ ہمیں ان کے معاملہ میں مزید دماغ سوزی اور تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ ان کی بحث و تحقیق اور علمی کد و کاوش اور اسلام اور اسلامی تاریخ و تہذیب پر ان کے اعتراضات کی قلعی پوری طرح کھولی جا چکی ہے اس لیے مسلمان فضلاء و مفکرین کی بحث و تحقیق کا دائرہ اسلامی افکار و مسائل ہی تک محدود رہے گا اور وہ یکسوئی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی زبوں حالی، دینی، علمی فکری اور تہذیبی و اجتماعی انحطاط کی طرف خاطر خواہ توجہ دیں گے۔

مگر اس وقت علم و سائنس اور ٹیکنالوجی میں مغربی قوموں کی برتری کی وجہ سے جو نت نئے انکشافات اور حیرت انگیز ایجادات ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے خود مسلمان دانشور بے دھڑک یہ کہنے لگے ہیں کہ "مستشرقین ہی نے ہماری قوم کو جہالت کی دلدل سے نکالا اور گمراہی و ضلالت سے بچایا ہے"۔ اس لیے جب کوئی اس پر تنقید کرتا ہے تو یہ لوگ نہایت برہمی ظاہر کرتے ہیں۔

مستشرقین اور مغربی علوم و افکار کی بالاتری کی یہ مدح سرائی اور اسلام، اسلامی تاریخ و تہذیب کے نقص و عدل کمال کا یہ اظہار چونکہ ہمارے ان بھائیوں کی جانب سے ہو رہا ہے جو ذہنی و فکری حیثیت سے مغربی طلسم کے اسیر اور اسکی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہیں، یہ لوگ گو ہماری ہی قوم و ملت کے فرزند ہیں، ہماری زبان بولتے ہیں۔ ان کے خط و خال بھی ہمارے ہی جیسے ہیں، لیکن ان کے دل ہم جیسے نہیں ہیں۔ وہ تہذیبی و ثقافتی طور پر ہم سے جدا ہو کر خارجی تہذیب کے آغوش میں جا چکے ہیں، اس لیے آئندہ سطور میں جو کچھ عرض کیا جائے گا اس کا روئے سخن انہی فرزندان ملت کی طرف ہے۔

یہ واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ "مستشرقین کے مسئلہ میں سر کھپانے اور انہیں برا بھلا کہنے میں ہم اپنی قوت و قابلیت اور وقت کو کیوں بلا وجہ صرف کر رہے ہیں، ہماری توانائی اور توجہ کی

---

[1] صدر شعبہ فقہ و اصول شریعت قطر یونیورسٹی...... [2] رفیق دار عرفات۔ رائے بریلی۔

اصل مستحق تر خود ہماری ہی قوم وملت ہے جو ہر قسم کے پیچیدہ مسائل اور گوناگوں مشکلات میں گرفتار ہے۔

دراصل سب سے بڑا المیہ ہمارے یہی مغرب زدہ لوگ ہیں جو بلا ضرورت اور بغیر سوچے سمجھے اپنی ہی قوم کے علوم وفنون اور اپنے ہی علمی ورثہ کو جو پورے طور پر مکمل وجامع ہے۔ تمسخر، استہزاء اور استخفاف کا ہدف بنا لیتے ہیں اس سے بھی خطرناک چیز ثقافتی دہشت گردی ہے جس میں یہ حضرات بڑی بے غیرتی اور ڈھٹائی سے مصروف ہیں اس کے لیے ان لوگوں نے "قدیم وجدید" "تقلید وتجدید" ترقی وانحطاط، جمود وآزادی، تحفظ روشن خیالی، نئی تہذیب و پرانی تہذیب جیسے الفاظ و مصطلحات ایجاد کرلی ہیں۔

اس بنا پر مستشرقین کے مقصد و منہج کی خرابی آشکارا کرنے کے لیے ہم مجبور ہیں ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں کہ اس کی وجہ سے مغرب زدہ حضرات راہ راست پر آجائیں گے، یا ان کے دل ودماغ پر لگا ہوا زنگ صاف ہوجائے گا اور ان کی مرعوبیت ختم ہوجائے گی البتہ ہم کو تھوڑی بہت امید اپنے ان نوجوانوں اور فرزندوں سے ضرور ہے جو ابھی اپنی راہ وتلاش و جستجو میں سرگرداں ہیں، اپنی اس نئی نسل اور نوجوانوں کو اصل حقیقت سے واقف کرادینا ضروری ہے تاکہ انہیں وہ لوگ دھوکہ نہ دے سکیں جو خنجر مغرب سے گھائل اور انکا رمغرب کی طرف مائل ہیں جو گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ہماری قوم کو پستی کی طرف دھکیلنے پر تلے ہوتے ہیں اگر اس امت کی بنیاد مضبوط و پائیدار نہ ہوتی اور اس میں اپنی ذاتی قوت وطاقت نہ ہوتی تو یہ بھی ان مغرب زدہ لوگوں کی طرح مسخ ہوچکی ہوتی۔ لیکن ارادۂ الٰہی سے یہ امت ہر مسخ و بگاڑ سے محفوظ رہے گی آئندہ انشاء اللہ اس کا علم بلند ہوگا اور اس کا پیغام جو آسمانی ہے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کے مطابق ہر سو عام ہوگا۔

مستشرقین کے اغراض ومقاصد ایک اندازہ کے مطابق انیسویں صدی سے بیسویں صدی کے نصف تک کی مختصر مدت میں مستشرقین نے ساٹھ ہزار کتابیں لکھیں قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ یہ سارا اہتمام اور اتنی زیادہ کدوکاوش کس لیے کی گئی ہے ؟ اسلام، تاریخ اسلام، عقائد اسلام، فرق اسلام، فقہ اسلام، نبی اسلام، اور دیگر اسلامی موضوعات پر اتنی بڑی تعداد میں کتابیں لکھنا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں، سوال یہ ہے کہ آخر یہ ساری جدوجہد تگ ودو کیوں کی گئی اس کے صرف دو مقاصد ہیں۔

۱۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ آفتاب اسلام کی ضیائے مبین سے مغربی ذہن ودماغ کو متاثر و مرعوب ہونے سے بچایا جائے، اسلام پر ایمان لاکر اس کا علمبردار اور سپاہی ومجاہد بننے سے روکا جائے، جیسا کہ اس سے قبل مصر، شام اور شمالی افریقہ و ہسپانیہ میں ہوچکا ہے کہ جب دین اسلام ان ممالک میں داخل ہوا تو وہاں کے عیسائی دینِ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوکر دینِ حنیف کے داعی وحامی بن گئے تھے۔ علامہ محمود شاکر لکھتے ہیں :

"ایک عجیب انوکھی بات یہ پیش آئی کہ ان نومسلم عیسائیوں نے اپنی مادری وملکی زبان کو ترک

"کر کے عربی زبان کو اچھی طرح اپنا لیا اور اس سے بھی حیرت کن واقعہ یہ پیش آیا کہ ان نو مسلموں کی نسل سے بڑے بڑے علماء و فضلا اور علم و فن کے ایسے عبقری پیدا ہوتے جنہوں نے اپنی جان، مال اور تیغ و قلم سے دین اسلام کی حمایت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا۔" لہ

اسلام کو مسخ کرنے کا جذبہ ہی عیسائی علماء کو ہر وقت اسلام کے خلاف ریشہ دوانی میں مصروف و متحرک رکھتا ہے۔

۲۔ استشراق کا دوسرا مقصد مشرق سے واقفیت اور اس کا مطالعہ ہے وہ یہاں کی ہر چیز کو جاننے اور دیکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تاکہ یہاں ان کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہو، صدیوں عالم اسلام ان کے لیے خوف، گھبراہٹ اور ہیبت کا بند قلعہ بنا رہا جس میں گھسنے کی ہمت مدتوں شکست خوردہ صلیبیوں کو نہیں ہوتی، ان سے جو جنگیں ہوئیں وہ سب اسلام کی فتح و فیروزمندی اور مسیحیت کی شکست فاش پر ختم ہوئیں۔ چنانچہ جب چھٹی صدی ہجری کی ابتداء میں خونخوار صلیبیوں نے عالم اسلام پر چڑھائی کی کوشش کی تھی تو دو صدیوں تک (۴۸۹-۶۹۰) برسرپیکار رہنے کے باوجود انہیں مغلوب و مقہور ہو کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی مگر اس کے بعد بھی وہ اسی فکر و تدبیر میں لگے رہے اور پسپائی اور ناکامی نے بھی ان کو اس جانب سے غافل نہیں رکھا۔ صلیبیوں کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں مستشرقین سے کافی مدد ملی۔

مستشرقین کی زندگی اسی جہاد اکبر کے لیے وقف رہی اور انھوں نے ایسے وقت بھی اپنے لیے گمنامی اور افلاس کی زندگی کو اختیار کرنا پسند کیا جب پورے یورپ میں دولت و ثروت اور عزت و شہرت کے اسباب پیدا ہو گئے تھے مگر گوشہ عزلت میں بیٹھ کر انھوں نے اپنے آپ کو ان بوسیدہ کتابوں کے انبار میں مقید و محبوس کر لیا تھا جو اجنبی زبانوں میں لکھی گئی تھیں۔ اس وقت ان کے دلوں میں حقد و حسد اور نفرت و عداوت کے وہی شعلے بھڑک رہے تھے جو قسطنطنیہ کے آغوشِ اسلام میں آجانے کے نتیجے میں پورے یورپ میں بھڑک رہے تھے۔ ٹلہ

مستشرقین ہی میں سے کچھ لوگوں نے عالم اسلام کے گذشتہ حوادث و واقعات کی روشنی میں مستقبل کے اندیشوں کو بھانپ لیا تھا، وہ علماء و عوام دونوں کے عادات و اطوار، طریقۂ زندگی اور انداز فکر وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے، کرۂ ارض میں پھیلے ہوتے اسلامی ممالک کے بارے میں مستند معلومات بھی ان کے ریکارڈ میں آگئیں تھیں، جن کا وہ باقاعدہ اور بغور مطالعہ کرتے تھے اس لیے مستشرقین کو اپنی قوم کے علماء و ماہرین سیاست سے لے کر عام لوگوں کا بھی پورا اعتماد حاصل تھا وہ جو کچھ بھی لکھتے یا کہتے اسے پوری قوم تسلیم کر لیتی تھی، مستشرقین کی اس باخبری اور بجربہ و واقفیت نے آئندہ جنگ میں ان کی پوری رہنمائی کی اس لیے

لہ محمود محمد شاکر "رسالۃ فی الطریق الی ثقافتنا" ص ۵۰

ٹلہ محمود محمد شاکر "رسالۃ فی الطریق الی ثقافتنا" ص ۴۳، ۴۰۔

اس کے گوشہ گوشہ میں گونج رہے ہیں اور اسے اس کے مقابلہ کے لیے مل کر اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔
کتاب کے ناشر لکھتے ہیں " یہ کتاب شعلہ کی طرح بھڑکتے ہوئے اس خطرہ کو آشکارا کرتی ہے جس سے یورپ کا انسان بڑی سادگی و بے پروائی سے گزر جاتا ہے اور اس کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ اب اہل اسلام مغرب کی دشمنی میں مغرب سے مقابلہ کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں۔ یہ کتاب ایک دعوت ہے ' ایک انتباہ ہے جسے صرف مغرب کے مفاد و مصالح کے لیے مقبول عام و خاص ہونا چاہیئے [۱]۔

اسی معنی و مفہوم کو " مسٹر البرٹ شامیڈر " نے اپنی کتاب " حمراء غرناطہ " میں دہرایا ہے، غرناطہ میں اسلامی آثار کی عظمت و شوکت کو بیان کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں، " اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہین اور بہادر عرب سو سال کے اندر دنیا کے علم وفن کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے، اسی کے ساتھ ہی انھوں نے اسی عرصہ میں نصف عالم کو بھی فتح کر لیا اور اپنے علم وفن کے آثار ہمارے لیے غرناطہ میں چھوڑ گئے، بے شک عرب جو صدیوں تک خواب غفلت میں پڑے رہے، اب اچانک پھر بیدار ہو گئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس دن پورا یورپ عربوں کی زد میں آ جائے " آگے پھر لکھتے ہیں کہ " میں نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن بہت سے دلائل و قرائن ایسے موجود ہیں جو ان احتمالات کو یقین میں تبدیل کر دینے والے ہیں اگر واقعی ایسا ہوا تو پھر ان کے بلاخیز طوفان کو ایٹم روک سکتا ہے نہ راکٹ۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے بڑے پر زور انداز میں یہ اپیل کی ہے کہ " حمراء سے عربوں کے نام و نشان تک مٹا ڈالو، ان کے بیدار ہونے سے پہلے ہی ان کو نیست و نابود کر دو، آخر میں بڑی حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم ایسا کر سکتے "۔

یہ مقاصد و اغراض خود مستشرقین کے بیان کردہ ہیں جن کے بعد بھی ہماری ملت کے سادہ لوح حضرات انکی اور ان کی تحقیقات کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہیں کہ یہ خالص علمی و فکری و غیر جانبدارانہ ہوتی ہیں، اور وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر ان کی تعریف و توصیف میں کتابیں اور مقالات بھی لکھتے رہتے ہیں' ہماری نئی نسل کو بھی وہ اسی کی تلقین کرتے رہتے ہیں اس موقع پر مسٹر رجا جارودی کا ایک بیان نقل کرنا نامناسب نہ ہو گا وہ ایک عظیم فلسفی' مذہب وجودی کے رہنما، سارتر کے سحر فسوں کے مفسر اور کمیونسٹ پارٹی کی قیادت کے امیدوار تھے۔ فرماتے ہیں کہ " ابتداء ہی سے استشراقی تحریک پاکدامن و غیر جانبدار نہیں تھی اس کا اصل مقصد اس منصوبہ و سکیم کو نافذ کرنا تھا جس کی بدولت زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو نصرانیت میں داخل کر دیا جاتے " [۲]

---

[۱] ڈاکٹر محمد البہی کے مقدمہ صد ۱۱ سے ماخوذ ہے۔

[۲] مبشرات الاسلام از رسالۃ " الامۃ " عدد ۲۴ صد ۲۳۔

یورپ کے غلبہ و تسلط کا راستہ انہیں نے ہموار کیا۔ اس کی تائید حوادث و وقائع اور اہل صلیب و عالم اسلام کے مابین ہونے والی کشمکش و آویزش کے مختلف ادوار و مراحل کو دیکھتے ہوئے اور ماضی بعید و ماضی قریب کی تاریخ کے ارشادات سے مذکورہ باتوں کو ہم صحیح نتائج قرار دینے میں سو فیصد حق بجانب ہیں اس لیے کہ اسکی تصدیق و توثیق مستشرقین نے خود اپنی زبان سے کر دی ہے ایک امریکی مستشرق "مسٹر رابرٹ بان" کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ اپنی مشہور کتاب "مقدس تلوار" کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"عربوں کو جاننے اور ان کے طور طریق کو سمجھنے کے ہمارے پاس کافی اور قوی اسباب موجود ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے وہ پوری دنیا پر اپنا تسلط و بالاتری قائم کر چکے ہیں، اب پھر دوبارہ وہ اس کی تیاری کر رہے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں میں جو آگ بھڑکائی تھی وہ اب بھی پوری طرح شعلہ زن ہے جو آئندہ بھی بجھنے والی نہیں"[۱]

اس سے بھی زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ "شہزادہ بیتانی" نے لکھا۔ اٹلی کے اسی شہزادہ نے اپنی جیب خاص سے فرزندان مسیح کے تین قافلے تیار کئے تاکہ وہ اسلام کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں وہاں کے جغرافیائی حالات معلوم کریں۔ علاوہ ازیں انہوں نے سفرناموں اور رپورٹوں میں مذکور عالم اسلام کے حوادث و واقعات اور معلومات کو بھی ایک جگہ جمع کیا اور نو ۹ ضخیم جلدوں میں "حولیات اسلام" کے نام سے اس کا خلاصہ مرتب کیا جو چالیس ہجری تک کی اسلامی فتوحات کی تاریخ ہے۔ اس عظیم مہم کو سر انجام دینے کے لیے انہوں نے اپنا سارا اثاثہ لگا دیا اور غربت و افلاس سے دوچار ہوتے وہ اپنی اس کاوش کا مقصد بتاتے ہوئے "حولیات اسلام" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ان کی یہ کوشش و کاوش صرف اس لیے ہے تاکہ اسلام کی موجودہ زبوں حالی کے اسرار و رموز تک رسائی ہو سکے، جس نے دنیا کے مختلف گوشوں میں دین مسیح کے لاکھوں پیروکاروں کو ہم سے چھین لیا ہے جس کے ماننے والے اب بھی محمدؐ کے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں رسول و نبی مانتے ہیں[۲] گویا اسلام کے اسرار و رموز تک رسائی اور اس کی قوت و طاقت کے سرچشمہ کو معلوم کرنا ہی اٹلی کے اس شہزادہ کا اصلی مقصد تھا۔

اسی طرح ایک جرمن مستشرق "مسٹر پال شمتز" نے "اسلام مستقبل کی عالمی طاقت" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اسلام اور عالم اسلام کی پوشیدہ طاقت و قوت کے عناصر کو پیش کیا، اس کتاب کی تالیف اور اپنی بحث و تحقیق کی غایت وہ یہ بتاتے ہیں "اسلام کا مقصد اس غافل یورپ کی چشم کشائی ہے جو ابھی تک اسلام کی اس قوت کا منہ سے بے خبر ہے جو یورپ کے لیے ایک سخت خطرہ ہے جس کے نعرے اب

---

[۱] بحوالہ محمد قطب "مذاہب فکریہ معاصرہ" صفحہ ۱۹۷

[۲] تواثنا فی الشرق والغرب　مؤلفہ بنت الشاطی

جب ہم اپنے ان مغرب زدہ بھائیوں کے سامنے مستشرقین کے ان اغراض و مقاصد کو آشکارا کرتے ہیں اور اس بات کی واضح شہادتیں پیش کرتے ہیں کہ یہ تحقیق، معروضیت اور علمی منہج و اسلوب کے منافی ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ گھسی پٹی پامال باتوں کے درپے ہیں ؟ یہ سب باتیں انیسویں صدی بلکہ اس سے بھی پہلے کی ہیں جب استعمار کا بول بالا اور مشرق و مغرب کے درمیان کشمکش و آویزش برپا تھی لیکن بیسوی صدی کے آغاز ہی سے مستشرقین کی تحقیقات کے انداز و آہنگ بدل گئے اب ان کا کام خالص علمی طرز پہ ہونے لگا ہے اور ان کی بحث و تحقیق اسی رنگ میں رنگی ہوتی ہے، وہ صرف علم و معرفت کے دلدادہ اور علمی کاوش میں سرگرم عمل رہتے ہیں، اب اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید، اسلامی تاریخ، اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب پر ان کے حملوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور انہوں نے مخلصانہ علمی جدوجہد کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔

اس حد تک تو صحیح ہے کہ اب مستشرقین کی تحقیقات سب و شتم اور اسلام اور مسلمانوں کی تقبیح و تشنیع سے خالی ہوتی ہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ اب وہ علمی نہج، غیر جانبدارانہ بحث و تحقیق اور خالص معروضی اصول و قواعد کے خوگر ہو گئے ہیں سراسر غلط ہے، پہلے ہی کی طرح اب بھی صحیح علمی نہج اور معروضی تحقیق کے التزام اور غیر جانبدارانہ انداز میں علم و فن کی خدمات انجام دینے سے وہ بہت دور ہیں اس کے متعدد اسباب ہیں جن کو آگے مناسب موقع پر بیان کیا جائے گا۔

اس سے پہلے بعض معاصر مستشرقین کے اقوال پیش کئے جا چکے ہیں جن سے اس خیال کی مکمل تردید ہوتی ہے ذیل میں ڈاکٹر جلودر کا ایک بیان نقل کیا جاتا ہے وہ اپنی کتاب " تقدم التبشیر العالمی " (عالمی مشنری کا ارتقاء) مطبوعہ ۱۹۶۰ء میں لکھتے ہیں :

" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شمشیر اور قرآن ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں اور ہماری تہذیب و ثقافت نیز حق و حریت کے سب سے بڑے مخالف ہیں وہ شکست و ریخت اور تباہی و بربادی کے سب سے بڑے خطرناک عوامل ہیں .... قرآن حقائق و خرافات، حقیقت و افسانہ کا عجیب مجموعہ اور تاریخی اغلاط فاسدہ اوہام کا ایک معجون مرکب ہے، اس کے علاوہ وہ غامض، پیچیدہ اور ہماری سمجھ سے بالاتر ہے .. محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مطلق العنان حاکم تھے، وہ عوام کے لیے بادشاہ کی خواہشات کی پیروی کو ضروری قرار دیتے تھے ان کے نزدیک بادشاہ جو چاہے کر سکتا ہے یہی وجہ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ خود ہر اس شخص کی گردن اڑا دیتے تھے جو ان کی مرضی کے خلاف کام کرتا تھا ان کی فوج تسلط و اقتدار اور دہشت گردی کی عادی تھی جس کو اس کے رسول نے یہ ہدایت کی تھی کہ جو میری پیروی نہ کرے یا میری راہ سے روگردانی اختیار کرے اس کی گردن اڑا دے[1] "

---

[1] تطور الموقف العربی عن السیرۃ مولفہ عماد الدین خلیل ج ۱ ص ۱۲۰

اسلام کے متعلق مستشرقین کی بے بضاعتی کا اندازہ نومسلم مستشرق "محمد اسد" (لیو پولڈ فائس) کی اس تحریر سے بھی کیا جاسکتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اسلام کے متعلق یورپین حضرات کا موقف صرف ناپسندیدگی و بے پروائی تک ہی محدود نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب و ادیان سے ان کا سلوک ہے بلکہ اسلام کی دشمنی و ناپسندیدگی ان کی رگ جان میں پیوست ہے، جو اکثر اوقات شدید تعصب کا رنگ اختیار کر لیتی ہے، دراصل ان کی کراہت و عداوت محض عقلی نہیں بلکہ شدید طرح کی جذباتی بھی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب اسلام کا نام سنتے ہی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور شدید قسم کے جذباتی ہیجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی لیے مشہور و ممتاز مستشرقین بھی اس بارے میں غیر جانبداری پر قائم نہیں رہ سکے ہیں۔ انکی نظر میں پہلے ہی سے اسلام کی حیثیت ایک مجرم کی ہوتی ہے جس کے جرائم کو ثابت کرنے کے لیے بعض لوگ مدعی بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ وکیلوں کی طرح اس کا دفاع بھی کرتے ہیں جو اپنے موکل پر اطمینان کے باوجود شخصی طور پر استخفاف کرتے ہیں چنانچہ محمد اسد رقمطراز ہیں "مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے علاوہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ساتھ مغربی مطالعہ نے یہ غیر منصفانہ سلوک روا رکھا ہے، لہذا اسلام پر جب وہ لکھنے پر آتے ہیں تو موروثی تحقیر و تذلیل کا جذبہ غیر معقول گروہی شکل میں ان کے علمی و تحقیقی کاموں میں سرایت کرنے لگتا ہے، یورپ اور عالم اسلام کے مابین تاریخ نے جو خلیج کھود دی ہے اس پر اب تک کوئی پل تیار نہیں کیا جا سکا ہے اور اب تو اسلام کی تحقیر و تذلیل یورپین فکر و سوچ کا اساسی جزء بن چکی ہے۔

ابتدائی مراحل میں مستشرقین عیسائی مشنری کی حیثیت سے عالم اسلام کو اپنی جولان گاہ بنائے ہوئے تھے، اور انہوں نے اس وقت اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام ایک منصوبہ بند سکیم کے تحت انجام دیا لیکن بعد میں استشراقی تحریک مشنریوں کے پنجہ سے آزاد ہو گئی لہذا اب ان کی عصبیت اور غیر جانبداری کے لیے کسی طرح کا عذر پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

مذہب اسلام پر مستشرقین کا حملہ اور طعن و تشنیع انکی ایسی موروثی خو اور فطری عادت ہے جس میں تبدیلی نہیں آسکتی، پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ مستشرقین کے مطالعات و تحقیقات میں اب تبدیلی آگئی ہے۔

مستشرقین کے اصلی مخاطب

ہمارے اندازے کے مطابق مستشرقین کی اس ساری کدو کاوش اور بحث و تحقیق کا منشا یہ ہے کہ وہ اہل مغرب اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے بارے میں ہر وقت اس اندیشہ و تشویش میں مبتلا رہتے ہیں کہ اسلام کی اثر پذیری کی وجہ سے یہ لوگ اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اس لیے مستشرقین اسلام کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لیے اسے مسخ شدہ اور بدنما شکل میں پیش کرتے

ہیں، تاکہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں اسلام کے متعلق بے اطمینانی اور الجھاؤ کی کیفیت باقی رہے۔ یورپ کے صلیب پرستوں اور مستشرقین کو یہ خطرہ برابر لاحق رہتا ہے کہ اسلام کی جگمگاتی روشنی یورپ کے مسیحیوں کے تاریک دلوں کو روشن کر دے گی جس طرح وہ اس سے پہلے مصر، شام، شمالی افریقہ اور اندلس کے ظلمت پسندوں کے دلوں کو روشن کر چکی ہے ان تمام ملکوں کے مسیحیوں نے خوشی خوشی اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا، قرآن مجید کی زبان اپنائی اور اس کے علم کو بلند رکھنے کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد کیا۔

یورپ کے مسیحیوں کی طرح کلیسا کے احبار و رہبان کو بھی ہر وقت اس کا کھٹکا لگا ہوا ہے کہ اسلام کا نور ہمیں ظلمت کدۂ یورپ میں نہ پہنچ جائے اور کلیسا کی تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل کر کے اس کی حکمرانی کو پاش پاش نہ کر دے۔ جس کے نتیجہ میں اصحاب کلیسا کی فتوحات و غنائم کے سارے دروازے بند ہو جائیں، اسی غرض سے مستشرقین نے جو کلیسا کی بولتی ہوئی زبان ہیں اس طرح کی بحث و تحقیق کو اپنا شعار بنا لیا ہے تاکہ لوگوں کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دیں جس کے بعد اسلام کی صحیح شکل و صورت ہی ان کو نظر نہ آئے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی تحریروں سے ابتدائی مرحلہ میں اسلام، پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کے نظام زندگی و معاشرت کے بارے میں دروغ گوئی وافترا پردازی سے کام لیا اور سب وشتم کی زبان اختیار کی لیکن بعد میں حالات کا رخ دیکھ کر اپنا انداز واسلوب بدل دیا۔ شروع میں ان کی تحریروں اور تحقیقات کا انداز سادہ اور سپاٹ ہوتا تھا لیکن بعد میں انہوں نے ان کو بڑے سلیقہ سے مرتب ومبوب کر کے تحقیق و استدلال کے رنگ و روغن سے انہیں مزین کر کے پیش کیا، ان میں گہرائی و گیرائی پیدا کی اور ان پر تحقیق و معروضیت کا لبادہ اوڑھا دیا، لیکن اس طرح کی ملمع کاری وغیرہ کے باوجود انہوں نے اپنے اغراض و مقاصد کو اوجھل نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ اپنی اس خصوصیت کو باقی رکھا کہ اسلام کے اثر و رسوخ سے یورپ پوری طرح محفوظ رہے۔

اس ظاہری تبدیلی کو دیکھ کر مسلمانوں کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب مستشرقین نے گالی گلوچ اور سب وشتم ترک کر دیا ہے، ان میں خوشگوار تبدیلی آگئی ہے، ان کی نیت نیک اور مقصد اچھا ہوتا ہے، ان کے دل اسلام اور مسلمانوں کی پرانی دشمنی و عداوت سے پاک ہو گئے ہیں، اب وہ انصاف و اعتدال کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں اور انہوں نے علمیت و معروضیت کو اپنا لیا ہے، حالانکہ صرف ان کا انداز و آہنگ بدلا ہے نہ ان میں علمیت آئی ہے نہ معروضیت اور نہ انہوں نے اعتدال کی روش اختیار کی ہے، اسلوب بیان کی یہ تبدیلی محض حالات و تجربات کی بنیاد پر اختیار کی گئی ہے جو خود یورپی مسیحیوں کے ترقی یافتہ ذہن و دماغ کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری تھی کیونکہ ان کی تحریروں کے اصل مخاطب وہی ہیں۔

جب ناواقفیت و جہالت کا زمانہ تھا اور لوگ سیدھے سادے تھے تو برا بھلا کہنے سے کام چل سکتا تھا،

اس لیے مستشرقین نے اپنے ابتدائی مراحل میں ایسا ہی کیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کو سب وشتم کا نشانہ بنایا، لیکن موجودہ زمانہ علم ومعرفت اور روشن خیالی کا ہے، اب اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق یورپ والوں کی معلومات میں بڑا اضافہ ہوگیا ہے اس لیے ان ترقی یافتہ لوگوں کے ذہن و دماغ کو مطمئن کرنے کیلئے انداز تحقیق واسلوب تحریر کو بدلنا ناگزیر ہوگیا تھا اس لیے مستشرقین اس کے لیے مجبور رہو گئے موجودہ دور کے ایک مشہور مستشرق ماؤنٹگمری واٹ کا بیان ہے:

> "دنیا کے عظیم لوگوں میں سب سے زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنقید وملامت کا ہدف بنایا گیا ہے اس کی وجہ کو سمجھنا بہت دشوار ومشکل ہے[1]، اصل بات یہ ہے کہ صدیوں تک اسلام مسیحیت کا سب سے بڑا حریف و دشمن رہا ہے[2] لیکن مسیحیت کو کبھی بھی اسلام کی قوت وطاقت کا مقابلہ کرنے کا براہ راست یارانہ ہوا، مصر وشام اور ایشیائے کوچک کے بہت سے علاقے اس کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد بیزنطینی امپائر پر حملہ کیا گیا اور ہسپانیہ وصقلیہ اور مغربی یورپ پر بھی خطرات کے بادل منڈلانے لگے۔"

اس جھوٹے پروپیگنڈہ کی وجہ سے قرون وسطیٰ اور اس کے بعد کے زمانہ میں مغربی دل ودماغ کے اندر اسلام کی عداوت ونفرت کی طرح مستحکم ہوگئی، گو اس پروپیگنڈہ کی کوئی حقیقت نہیں تھی تاہم یہ اپنا کام کرتا رہا۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امیر الظلمات" کہا گیا، جب گیارہویں صدی کا زمانہ آیا تو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق صلیبیوں کے دماغ میں جو باطل اور خرافات پر مبنی افکار وتصورات بس گئے تھے انھوں نے برگ وبار لانا اور اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا جس کے نہایت عجیب وغریب اور افسوسناک اثرات ظاہر ہوتے۔
صلیبیوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ دشمنوں سے بدترین معاملہ کے لیے تیار رہیں، لیکن جب انھوں نے دشمنوں کو عموماً شجاع، جوانمرد اور دلیر پایا تو مسیحی اپنی دینی قیادت کی طرف سے شک وشبہ میں پڑ گئے، اسی شک کو دور کرنے کے لیے مسیحی پادری پطرس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دین کے بارے میں زیادہ صحیح معلومات فراہم کرنا پڑا اور زبان وبیان کے انداز کو بدلنا پڑا۔ گذشتہ دو صدیوں میں اس سلسلہ میں نمایاں تبدیلی آئی ہے، اگرچہ اب بھی ان کے ذہن ودماغ اوہام وخرافات سے پر ہیں[3]۔ اس تبدیلی کے اسباب خود مستشرق موصوف کی زبانی سنیے وہ کہتا ہے:

---

[1] موصوف اگر "دشوار ومشکل" کی جگہ "آسان" کہتے تو حقیقت سے زیادہ قریب بات ہوتی۔

[2] اسلام کبھی بھی مسیحیت کا دشمن نہیں رہا، اگر وہ دشمن ہے تو صرف صلیبیت اور اس کے انتقامی جذبہ کا جس کی آگ اب تک اسلام کی رواداری اور سماحت کے باوجود صلیبیوں کے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔

[3] ماؤنٹگمری واٹ، محمد ان مدینہ ۱۹۳ - ۱۹۴۔

"صلیبیوں کو جب اپنے دشمنوں (مسلمانوں) میں اکثر لوگ بہادر و جانباز نظر آئے تو ان کے دلوں میں مسیحی دینی قیادت کی طرف سے شبہات پیدا ہونے لگے کیونکہ یورپی مسیحیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران میں مسلمانوں کی وہ تصویر دیکھی جو ان کے پادریوں کی دکھائی ہوئی تصویر سے یکسر مختلف تھی، اس صورت حال کو دیکھنے کے بعد پادری پطرس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے لائے ہوئے دین کے متعلق زیادہ صحیح معلومات بہم پہنچانے کی ضرورت پڑی تاکہ یہ شک و شبہ زیادہ سنگین صورت اختیار نہ کر سکے"۔
ان سب کے بعد بھی کیا مستشرقین کی بحث و تحقیق کو معروضی اور غیر جانبدارانہ یا انہیں نیک نیت اور مخلص قرار دیا جا سکتا ہے۔

مستشرقین ہمارے لیے نہیں لکھتے

اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ استشراق کا اصل رخ اہل یورپ کی جانب ہے، مستشرقین کبھی اس خوش فہمی میں نہیں مبتلا ہوتے کہ ان کی بحث و تحقیق سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا یا وہ حوالہ و مرجع کا کام دیں گی۔
دنیا کی طویل تاریخ میں ایسا کہیں نظر نہیں آتا کہ کسی قوم و ملت کے علم و فن، تہذیب و تاریخ، تمدن و معاشرت اور دین و شریعت کے معاملہ میں غیر قوموں کے لوگوں کو مستند و مرجع بنایا گیا ہے کسی غیر انگریز یا غیر جرمن شخص کو چاہے وہ علم و ادب کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ فائز ہو، انگریزی زبان و ادب اور انگریزوں کی تہذیب و تاریخ اور ان کے معاشرتی و دینی مسائل کے بارے میں حجت سمجھا گیا ہو۔ لیکن دنیا کا یہ عجیب و غریب واقعہ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور خود مسلمان بھی اپنے مسائل و معاملات کے سلسلہ میں مستشرقین کو حجت و معتبر بنانے لگے ہیں[1]
چنانچہ علم و اسلام کے ایک مرکزی ادارہ "جامع ازہر" کے کلیۂ شریعت کے ایک لائق استاد اپنے درس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

آج ہم "تاریخ التشریع الاسلامی" کے موضوع پر خالص علمی انداز کا ایسا درس دیں گے جس طرح کا درس جامعہ ازہر میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیا گیا، مجھے یہ اعتراف کرنے میں کسی قسم کا کوئی تردد نہیں ہے کہ میں نے جامعہ ازہر میں تقریباً ۱۲ سال تعلیم پائی، لیکن اس لمبی مدت میں اسلام کو سمجھ نہیں سکا میں نے صحیح معنی میں اسلام کو جرمنی میں پڑھنے کے زمانہ میں سمجھا[2] فاضل موصوف نے جب حدیث و سنت کی تاریخ پر درس دینا شروع کیا تو اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی ایک ضخیم کتاب کا حرف بحرف ترجمہ پیش کرنا شروع کر دیا، جو گولڈزیہر کی لکھی ہوئی "دراسات اسلامیہ" تھی موصوف اس کی عبارتیں پڑھ کر کہتے جاتے تھے کہ "یہ خالص علمی حقائق ہیں"۔

---

[1] محمود محمد شاکر "المتنبی" [2] یہ شیخ علی حسن عبدالقادر کا واقعہ ہے، مگر انھوں نے اب مستشرقین کے سلسلہ میں اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا ہے جس کی تفصیل ان کی کتاب "نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دنیا کی دوسری قوموں میں جو بات ناممکن تھی وہ ہمارے یہاں ممکن ہی نہیں واقعہ بنی ہوئی ہے، ہمارے اندر یونانی ادب، فرانسیسی ادب اور انگریزی ادب کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوتے، لیکن اگر یہ حضرات ان زبانوں اور ان قوموں کے عقائد اور تاریخ و معاشرت کے بارے میں کچھ لکھیں تو اسے کبھی بھی مستند مرجع و مصدر کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی، اس طرح اگر ہمارے مربی قوم[1]، اور عربی ادب کے استاد کل[2] یونانی تاریخ یا فرانسیسی ادبیات پر کچھ خامہ فرسائی کریں تو وہاں کے لوگ کبھی بھی انہیں اپنے مرجع و مصادر کی فہرست میں جگہ نہیں دیں گے اور نہ وہ ان پر اس طرح کا اعتماد کریں گے جس طرح کا اعتماد وہ اپنے علماء و محققین پر کرتے ہیں۔

یہ دراصل مسلمانوں کی پستی و انحطاط کا نتیجہ ہے کہ تہی مایہ مستشرقین ہمارے علم و ادب اور مذہب و تمدن کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا لکھ دیتے ہیں وہ اسے سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں اور انہیں اپنے اداروں اور اکیڈمیوں کا ممبر بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں[3]

ایک دفعہ تیمور پاشا نے علامہ محمود شاکر کو رسالہ " الجمعية المكتبة الاسيوية " کے جون ۱۹۲۵ء کا شمارہ اس غرض سے دیا کہ وہ اس میں مارگولیتھ کے مقالہ کو پڑھ کر اس کے متعلق اپنے تاثرات سے انہیں آگاہ کریں، شاکر صاحب اس وقت یونیورسٹی کے ایک نوجوان طالب علم تھے انہوں نے بتایا کہ مقالہ نگار بے حس و دست عجمی ہے اس نے اپنی عادت کے مطابق اس مقالہ میں بڑی بے حیائی سے کام لیا ہے یہ سن کر تیمور پاشا مسکرائے اور خوشی کا اظہار کیا، شاکر صاحب نے مزید کہا کہ " یہ عجمی جتنی عربی جانتا ہے اس سے کہیں زیادہ میں انگریزی سے واقف ہوں، بلکہ وہ آخری عمر اور مرتے دم تک جتنی عربی سیکھ سکتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ میں انگریزی شعر و ادب سے واقف ہوں اور انگریزی شعر و ادب کے نشو و نما سے لیکر اب تک کے تمام ادبی مجموعوں کو نقد و جرح کا نشانہ بنایا جا سکتا ہوں۔ لیکن میں دوسروں کی زبان و ادب سے کھیلنا پسند نہیں کرتا، یہ گردش روزگار کیسا عبرتناک واقعہ ہے کہ آج ہمارے شعر و ادب پر ایک تہی دست عجمی اس طرح رائے زنی کر رہا ہے۔

استشراق و مستشرقین کے سلسلہ میں ہماری سب سے بڑی مصیبت یہی الٹی صورت حال ہے کہ مسلمان ان تحقیقات پر اعتماد کرنے لگے ہیں جو ان کے بجائے اصلاً مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے لکھی گئی تھیں، اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلہ اور عجیب و غریب صورتحال یہ ہے کہ آج ہم انہی کو اپنا قابل اعتماد استاد و معلم مانتے ہیں، ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں، اپنی تاریخ اور اپنی زبان و ادب کا درس لیتے ہیں اور اپنے معاشرتی مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس عجیب و غریب صورت حال کی کتنی اچھی تصویر کشی ایک معاصر مرحوم

[1] احمد لطفی السید [2] ڈاکٹر طہ حسین [3] یہ الفاظ استاد محمود شاکر صاحب نے اس وقت کہے تھے جب ان سے احمد تیمور نے مارگولیتھ کے بارے میں سوال کیا تھا۔

باقی صفحہ ۴۶ پر

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

گذشتہ کئی ماہ سے بوسنیا کے مظلوم مسلمان سربی فوجوں کے سفاکانہ وسنگدلانہ ظلم وستم کا شکار ہیں، دن رات بمباری کے ذریعہ ان کے گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔ انہیں اپنے گھروں اور علاقوں سے بے دخل کرنے کی مہم تیز سے تیز ہوتی جارہی ہے ان کے بوڑھوں اور نوجوانوں کو نہایت بے رحمی سے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ خلیج کے ایک اخبار کی رپورٹ کے مطابق بوسنیا کی طرف سے شایع کردہ اعداد و شمار کے مطابق صرف گذشتہ ماہ ۱۴ ہزار سے زاید افراد ہلاک اور ساٹھ ہزار کے قریب افراد لاپتہ ہیں جن کے بارے میں یقین ہے کہ انہیں سربی فوجیوں نے تشدد کے بعد ہلاک کر دیا ہے۔ مسلمان بچیوں کو ان کے گھروں سے باہر نکال کر ان کی آبروریزی کی جاتی ہے اور کئی مقامات پر اجتماعی طور پر عصمت دری کے واقعات ہوئے ہیں۔ اور سربی فوجی کہتے ہیں کہ ہم تمہارے پیٹ سے ایک سربی بچے کی پیدائش چاہتے ہیں اگر کوئی مسلمان لڑکی اپنا ناجائز حمل گرانے کے لیے ڈاکٹروں سے رجوع کرتی ہے تو انہیں یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ یہ حمل ہرگز ضائع نہیں کیا جا سکتا (جنگ لندن) لندن سے شائع ہونے والا رسالہ میں عرفان مرزا کی ایک انتہائی المناک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس ں بوسنیا کی مسلم بچیاں اور خواتین عالم اسلام کے حکمرانوں اور وہاں کے باشندوں سے کہہ رہی ہیں کہ اگر آپ لوگ ہمارا تحفظ نہیں کر سکتے تو ہمیں دوسری ادویات بھیجنے کی فکر نہ کریں صرف ضائع حمل گولیاں سے بھرے ہوئے جہاز بھیج دیا کریں۔ کیونکہ وہ ابھی مستقل آبروریزی اور عصمت دری کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔"

بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف جو وحشیانہ سلوک کیا جارہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اقوام عالم ملی آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مغربی اور امریکی پریس بھی (جو اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہے) اسس ندگی پر چیخ پڑا ہے۔ اور اس کے نمائندے اس مسلم کش طوفان کا برابر جائزہ لے رہے ہیں۔ بعض اخبارات راہنماؤں نے دعویٰ کیا ہے کہ بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی نہ صرف یہ کہ ہو رہی ہے بلکہ اس میں اضافہ در اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، ۲۶ اکتوبر کی بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق بوسنیا میں ..۲ کے قریب مسلمانوں

کو ان کے گھر اور علاقوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ اور روزانہ یہ حالت پیش آتی ہے۔ سابق امریکی وزیر خارجہ جارج شلز نے ان حالات میں امریکی صدر کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس جارحیت کو روکنے کے لیے سربیا کے بارود کے ذخیروں پر بمباری کر کے انہیں تباہ کر دیں (جنگ ۱۱ اکتوبر) برطانوی رکن پارلیمنٹ مسٹر کیتھ ہل نے کہا کہ بوسنیا میں سربی جارحیت کو برابر فتح مند ہونے دیا جا رہا ہے حالانکہ امریکی صدر نے عراق پر حملہ کے دوران اعلان کیا تھا کہ جدید دنیا میں جارحیت کو کبھی فتح مند نہیں دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس ننگی جارحیت کا سدباب نہ کیا گیا تو یہ ظلم و بربریت کا دور پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔ سربوں کو اگر مسلمانوں کا صفایا کرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ عمل مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی شروع ہو گا اور بوسنیا کے بعد اگلا نشانہ ''کوسووا'' ہو گا جہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۰ فیصد ہے۔ (جنگ لندن)

سربی فوجوں کے مظالم کی یہ داستانیں تقریباً ہر روز مقامی اور غیر ملکی اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود نام نہاد ترقی یافتہ اقوام اور شرف انسانیت و تحفظ حقوق انسانیت کے تمام دعویدار نہ صرف خاموش تماشائی کا کردار ادا رہے ہیں بلکہ اس مسلم کشی میں درپردہ شریک بھی ہیں۔ امریکی صدر نے بڑے صاف الفاظ میں کہدیا ہے کہ بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی جیسا کوئی مسئلہ ابھی موجود نہیں ہے (جنگ لندن) امریکہ اور دیگر یورپی ممالک اس سنگدلانہ وحشیانہ مظالم کو کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود فوجی مداخلت کے لیے تیار نہیں۔ اور نہ ہی سربی فوجیوں کا ہاتھ پکڑنا ان کا مقصد ہے۔

سربی راہنماؤں کے بیانات۔ فوجی کمانڈروں کے اعلانات اور فوجیوں کی سنگدلانہ حرکات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک منظم منصوبے کے تحت ہو رہا ہے اور سب کی ملی بھگت سے یہ کارِ شر انجام دیئے جا رہے ہیں یورپی حکمرانوں کو یہ خوف و اندیشہ لاحق ہے کہ اگر بوسنیا کے مسلمانوں کو کھلی اجازت دے دی گئی تو یقیناً یورپ میں ایک اسلامی مملکت (STATS) ابھر کر آجائے گی جو ان کو کسی صورت میں بھی قابل تسلیم نہیں ہے۔ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ بوسنیا کے مسلمان آزاد مملکت کا خواب دیکھیں اور اسے عملی جامہ پہنائیں۔ اور عالمی نقشے میں بوسنیا کا نام ایک اسلامی مملکت کے طور پر نمودار ہو۔ اس لیے انہوں نے سربی رہنماؤں کو کھلی چھٹی دے دی ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر صفایا ہو سکتا ہے کر دیا جائے۔ اور انہیں مالی، جانی، اقتصادی و معاشی و فوجی طور پر اس قدر کنگال اور تنہا کر دیا جائے کہ یہ آئندہ کبھی بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی جرأت ہی نہ کر سکیں اسی لیے ان کے جوانوں کا قتل عام ہے۔ بچیوں کی عصمت دری ہے۔ ان کے معصوم بچوں کو برطانیہ اور دوسرے ممالک کے رفاہی ادارے (جن کا مقصد ہی عیسائیت کی تبلیغ ہے) کی تحویل میں دینے کی جدوجہد جاری ہے مگر کیا مجال کہ سربی فوجوں کے خلاف محاذ کھولا جائے اور ان پر حملہ کر کے اس درندگی کا خاتمہ کیا جائے۔

جہاں تک اقوام متحدہ کے کردار کا تعلق ہے تو یہ امر عیاں ہے کہ اس کا کردار انتہائی شرمناک اور افسوسناک ہے۔ اس کے سیکرٹری جنرل بطروس غالی جو بذاتِ خود خیر سے ایک اچھے خاصے عیسائی ہیں نے بوسنیا کی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہدیا ہے کہ "اقوام متحدہ کے پاس سربی فوجوں کو مسلمانوں کے قتل عام سے روکنے کے ذرائع نہیں ہیں" یعنی اقوام متحدہ کچھ نہیں کرسکتا۔ بے دست و پا ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہی ادارہ خلیجی جنگ میں اپنے تمام ذرائع بروئے کار لا چکا ہے اور اپنی حدود سے بھی تجاوز کر چکا تھا اور آج تک عراق کے خلاف جائز و ناجائز ذرائع و وسائل استعمال ہو رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خود اقوام متحدہ کے رہنماؤں کی بھی یہ خواہش اور تمنا ہے کہ سربی رہنماؤں کو مسلمانوں کے قتل عام کی کھلی چھٹی مل جانی چاہیئے۔ اسی لیے ان کی زبانیں اور ان کے ہتھیار خاموش ہیں۔ اگر اقوام متحدہ کے رہنماؤں میں ذرہ بھر اخلاص ہوتا اور انصاف کے ترازو پر ہر کسی کو تولا جاتا تو بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں ضرور فوجی مداخلت ہوتی اور سربی فوجوں کی سفاکانہ حرکات پر ضرب لگائی جاتی۔

اس سے زیادہ المیہ اور دکھ بلکہ شرمناکی یہ ہے کہ عالم اسلام جیسے اس ترقی یافتہ دور کی اس بدترین سفاکی و درندگی کے خلاف منظم طور پر کوئی آواز اٹھانی چاہیئے تھی۔ غیرت اسلامی کے فقدان یا اس کے ضعیف ہو جانے کے باعث بالکل خاموش ہیں۔ ان کی ساری توجہات کا مرکز اقتدار کا حصول و تحفظ ہے انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مسلمانوں کا خون کہاں کہاں اور کس کس انداز میں بہایا جا رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ یہ آگ ہمارے گھر میں نہیں لگی۔ اس لیے اس کے بجھانے میں کیوں دلچسپی لی جائے اور اس کے لیے اپنی توانائیاں صرف کی جائیں۔ لیکن انہیں پتہ نہیں کہ یہ آگ پھیل بھی سکتی ہے اور ان کے گھروں اور اقتدار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

ان حالات میں عالم اسلام کے رہنماؤں اور امت مسلمہ کی ذمہ داری بنتی ہے سب متحد ہو کر اس آگ کو بجھانے کی فکر کریں اور اولین فرصت میں اپنی توجہات کا مرکز بنا کر اپنی ساری توانائیاں صرف کریں۔ تاکہ اس آگ پر قابو پایا جائے اور اس کے ذریعہ اپنا گھر بھی محفوظ رہ سکے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوتاہی کی گئی تو یقیناً یہ آگ ہم تک بھی پہونچے گی اور اس کا انجام سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہ ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ۔ ۲۷، اکتوبر ۹۲ء

پروفیسر محمد یحییٰ صاحب

علاّمہ بیضاوی

اور

اُن کی تصانیف

علامہ بیضاوی کا نام عبد اللہ بن عمر اور کنیت ابو الخیر ہے۔ زرکلی، فرید وجدی اور حاجی خلیفہ نے کنیت ابو سعید لکھی ہے[۱]۔ مولانا ذوالفقار احمد نے ابو سعید کنیت بیان کی ہے[۲]۔ ان کی نسبت البیضاوی، الشیرازی، الفارسی، الاشعری الشافعی اور لقب ناصر الدین ہے۔

نسب نامہ احمد زرکوب شیرازی نے جو نسب نامہ "شیراز نامہ" میں تحریر کیا ہے وہ اس طرح ہے:۔

القاضی ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن القاضی امام الدین ابو القاسم عمر بن قاضی القضاۃ السعید فخر الدین ابی عبد اللہ محمد بن قاضی صدر الدین ابی الحسن علی البیضاوی[۳]۔ علامہ سبکی[۴]، جلال الدین سیوطی[۵]، ابن عماد[۶]، قاضی شہبہ[۷] اور مرزا محمد باقر[۸] نے بھی زرکلی کا ہی سلسلہ نسب بیان کیا ہے۔ البتہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام[۹] میں اور جرجی زیدان[۱۰] نے عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا روایات میں امام بیضاوی کا نسب نامہ تقریباً ایک سا ہے البتہ برو کلمان نے عبد اللہ کی بجائے علی لکھا ہے جو بوجوہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں احمد زرکوب شیرازی کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ اس لئے کہ احمد زرکوب نے بیضاوی کا زمانہ پایا ہے اور وہ اس کے ہم عصر ہیں۔ پھر وہ اپنی شیراز کی تاریخ میں جس انداز سے علامہ بیضاوی اور ان کے والد کا حال لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملاقات علامہ بیضاوی سے ہوئی ہے اگرچہ ظاہراً کہیں ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا۔ مگر زرکوب کی روایت ثقہ مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے لہٰذا یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

---

[۱] کشف الظنون ۲/۱۸۶ [۲] مراۃ التفسیر ذوالفقار احمد ص ۵۶ [۳] شیراز نامہ زرکوب ص ۱۳۶
[۴] طبقات الشافعیہ الکبریٰ سبکی ج ۵ ص ۵۹ [۵] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۸۶ [۶] شذرات الذہب ۵/۹۲ [۷] طبقات الشافعیہ ورق ۸۳ ب [۸] روضات الجنات ص ۶۳۵ [۹] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۶/۵۹۰ [۱۰] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ۳/۲۴۴ [۱۱] الاعلام، زرکلی ۴/۱۱۰

بیضاوی کی نسبت قصبہ بیضا میں پیدا ہونے کی وجہ سے ہے اور شیرازی اس لئے ہے کہ ان کے والد بزرگوار عرصہ دراز تک شیراز میں قاضی القضاۃ رہے۔ اور خود بیضاوی بھی شیراز میں پہلے قاضی اور پھر قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ لیکن بیضا اور شیراز دونوں فارس (ایران) میں ہیں۔ اس لئے ان کو الفارسی کی نسبت سے بھی لکھا جاتا ہے۔ شافعی مسلک کی وجہ سے شافعی کہلاتے ہیں۔

ولادت: ساتویں صدی ہجری کے اختتام اور آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ تاریخ اسلام کا نہایت ہی نازک زمانہ تھا اور مرکزیت زوال پذیر تھی۔ اس صدی میں عباسی عہد کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا تھا۔ تاتاریوں کے سیلاب نے نہایت تیزی کے ساتھ عباسی حکومت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس دور سیاہ میں علامہ بیضاوی نے ایک خوشحال گھرانے میں جنم لیا۔ ان کا خاندان علمی اعتبار سے مشہور تھا جس کا اثر قدرتاً علامہ پر ہوا۔ چنانچہ وہ بھی علمی دنیا میں آفتاب بن کر چمکے۔ اور ان کی روشنی چہار دانگ عالم میں پھیلی۔

بیضاوی اپنی تصنیفات اور خصوصاً تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف البیضاوی کی وجہ سے جتنے مشہور و معروف ہوئے اتنے ہی ان کی زندگی کے حالات تاریکی کی دبیز تہوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اگر تھوڑے سے حالات ملتے بھی ہیں تو اس سے بھی ان کی زندگی کا صرف ایک ہلکا سا خاکہ سامنے آتا ہے۔ علامہ کا سن ولادت معلوم نہیں ہو سکا۔ حتیٰ کہ ان کے مقدمات میں بھی جو انہوں نے اپنی تصنیفات پر تحریر کئے ہیں۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ سن ولادت پر ہی کیا موقوف ہے سن وفات میں بھی کافی اختلاف ہے۔

علامہ کا ذکر تاریخ میں اس وقت سے ملتا ہے جب پہلی بار عہدہ قضا پر متمکن ہوتے ہیں۔ اس سے اگر ان کی قاضی بننے سے پہلے کی عمر کا تعین کرنے کی کوشش کریں تو تاریخ اور کتب سیر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار عمر بن محمد اپنی وفات کے وقت (۶۷۳ھ) میں شیراز کے قاضی القضاۃ تھے۔ علامہ بیضاوی کو جو شیراز میں اس وقت قاضی تھے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

احمد زرکوب کے الفاظ میں "والد کی وفات سے تین سال قبل علامہ قاضی کے عہدے پر کام کرتے نظر آتے ہیں لہذا ممکن ہے قاضی بننے کے وقت ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ علمی خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے خوابیدہ صلاحیتوں کی جلدی جلا مل گئی ہو۔ اور اس وقت ان کی عمر چالیس سے کم ہو۔

حصول علم: بیضاوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی امام الدین ابوالقاسم عمر بن فخر الدین محمد بن صدر الدین علی بیضاوی سے حاصل کی۔ وہ اس عہد کے بڑے عالم تھے۔ علامہ کے اساتذہ میں ان کے والد کے سوا اور کسی کا نام نہیں ملتا۔ اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے حصول علم کے لئے کہاں کہاں کے سفر کئے۔ البتہ ان کے والد بزرگوار کا سلسلہ تلمذ دو واسطوں سے امام غزالی سے ملتا ہے جو شافعی المسلک تھے۔ لہذا امام غزالی کے نظریات اور تعلیمات

ان تک پہنچے۔

خاندان | علامہ بیضاوی نے خوشحال گھرانے میں جنم لیا۔ جیساکہ ان کے نسب نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدۂ قضا ان کے خاندان میں آباؤ اجداد سے چلا آرہا تھا۔ اس لئے ان کا خاندان مالی اعتبار سے خوش حال ہوگا۔ ” بیضا “ کا علاقہ انتہائی سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا اور وہاں کے سب لوگ خوش حال تھے۔ اس طرح انہوں نے ایک خوشحال ، پرہیزگار اور پابندِ شرع گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد اور دادا قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے، گویا قاضی القضاۃ کا عہدہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلا آرہا تھا اور یہ لوگ اصحابِ علم اور خادمانِ دین تھے۔

علامہ کے والد محترم | ان کے والد کو ان کی شرافت اور اتقا کی وجہ سے ” امام الدین “ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے وہ مقتدائے ائمہ افاضلِ عصر اور علامۃ الدہر تھے[۱] بہت بڑے عالم اور علم الاصول کے ماہر تھے۔ علامہ کو آسان علم پر جو درخشندگی نصیب ہوئی وہ محض ان کی ذاتی کوشش اور خوبی نہ تھی بلکہ یہ دانش و بینش انہوں نے اپنے متقی اور پرہیزگار والد سے وراثتاً پائی تھی۔ ان کے والدِ محترم عمر بن محمد اتابک سعد زنگی کے عہدِ حکومت میں فارس کے قاضی القضاۃ تھے[۲] اور طویل مدت تک اس عہدے پر فائز رہے اور احکام قضا احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے[۳]

ان کے والد نہایت متدین، خود دار اور پاکیزہ شخصیت کے مالک تھے۔ خوفِ خدا کا اس حد تک طبیعت پر غلبہ تھا کہ عدل و انصاف میں ہمیشہ قرآن و حدیث کو مشعلِ راہ بنائے رکھا۔ شیراز میں جب کہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ ۶۷۳ھ میں اچانک بیمار ہوئے اور چند دن موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انہیں مدرسہ مقری واقع شیراز میں دفن کیا گیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد تک علامہ بیضاوی قاضی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اور پھر انہیں قاضی القضاۃ کے عہدے پر ترقی دے دی گئی[۴]

شادی اور اولاد | جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ علامہ بیضاوی کی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور اگر خود ان کے حالات ملتے بھی ہیں۔ تو ان کی اولاد کا ذکر کہیں نہیں ملتا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے شادی کی ہوگی لیکن اولاد نہیں ہوگی یا پھر اولاد تو ہوئی مگر علامہ زمخشری کی اولاد کی طرح باپ کے نقشِ قدم پر نہیں چلی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شادی بیاہ کے جھنجھٹ میں پڑے ہی نہ ہوں اور عمر بھر علمی زندگی ہی میں مشغول رہے ہوں۔ اس مفروضے کو ان کی آخری عمر میں ان کی تجرد پسندی سے تقویت ملتی ہے۔

---

[۱] شیراز نامہ۔ زرکوب ص ۱۳۶ [۲] انسائیکلو پیڈیا اردو فیروز سنز۔ لاہور۔ ص ۲۵۹ [۳] شیراز نامہ۔ زرکوب ص ۱۳۶ [۴] ایضاً۔

علامہ کی شخصیت | ناصر الدین بیضاوی علوم عقلیہ ونقلیہ کے اس درخشندہ وتابندہ ستارے کی مانند ہیں جو کسی روشن ستارے کے پیچھے طلوع ہوا ہو اور اس کے بعد ایک اور ستارہ فلک کی نیلگوں وسعتوں میں طلوع ہو کر اپنا کام شروع کر دے سے

نجوم سماء کلما انقض کوکب
بدا کوکب تاوی الیہ کواکبہ

"یعنی اہلِ علم رہنمائی میں آسمان کے ستارے ہیں جب ان میں سے ایک گرتا ہے تو دوسرا ان کی جگہ لے لیتا ہے اور اس کے اردگرد دوسرے ستارے جمع ہو جاتے ہیں"

شمع سے شمع روشن ہوتی ہے۔ امام ابوحامد محمد بن حامد حجۃ الاسلام الغزالی کی جلائی ہوئی شمعِ علم سے امام معین الدین ابوسعید منصور بن البغدادی نے روشنی حاصل کی۔ اور ان سے علامہ بحیر الدین محمود بن ابی المبارک البغدادی نے ضیاء علم کا حصول کیا اور پھر علامہ کے والد بزرگوار امام قاضی القضاۃ امام الدین عمر بن محمد کے آگے شمع رکھدی۔ اب علامہ بیضاوی کی باری آئی اور ان کی شخصیت نے امام غزالی کے سو سال بعد ان کی غائبانہ شاگردی کا شرف حاصل کیا اور اپنے والد ہی سے فیض یاب ہوئے۔

خوشحال گھرانے کے چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے بڑے ناز ونعم میں پرورش پائی۔ لیکن طبیعت میں سادگی کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ نخوت ورعونت اور تکبر جو خوشحال خاندان کے فرزندوں کا خاصہ ہے۔ ان میں بالکل نہ تھا۔ خودنمائی ان کے قریب تک نہ پھٹکی تھی۔ ان کی اس سادگی اور عجز وانکساری کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

جب وہ پہلی دفعہ تبریز تشریف لے گئے تو وہاں ان کو کسی مدرس کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا ازراہِ تواضع نہایت ادب سے آخری صف میں بیٹھ گئے۔ جہاں ان کو کوئی بھی جاننے والا نہ تھا۔ ان کا یوں خاموشی سے آخری صف میں بیٹھ جانا جہاں ان کی سادگی اور شانِ استغناء پر دلالت کرتا ہے وہاں ان کے بااصول ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اگر وہ اپنی اہمیت کی خاطر لوگوں کے درمیان سے راستہ بنا کر آگے بیٹھنے کی کوشش کرتے تو درس میں خلل واقع ہوتا۔ ایسا کرنا اخلاقی اور اصولی طور پر غلط تھا۔ نیز ان کے بااصول ہونے، دین کی تعظیم واحترام درس کا بھی پتا دیتا ہے اور پھر درس میں شمولیت کرنا ان کے ذوق وشوق علمی کا بھی واضح ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔

مدرس محوِ درس تھا اور اسے کوئی خبر نہ تھی کہ ایک یگانہ روزگار اور نادر الوجود شخصیت اس کے حلقۂ درس میں شریک ہے۔ عالم موصوف کو اپنی علمیت پر بڑا ناز تھا۔ چنانچہ انہوں نے درس میں بڑے طمطراق سے طلباء کے سامنے ایک نکتہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ کون ہے جو اس کا صحیح جواب دے سکتا ہو؟ یا اگر جواب نہ دے تو کم از کم

سوال کے صحیح الفاظ ہی دہرا دے ؟ سوال کے اختتام پر علامہ بیضاوی نے جواب دینا چاہا تو مدرس نے کہا یہ تو اس وقت قبول ہو سکتا ہے جب پہلے یہ علم ہو کہ آپ سوال سمجھے بھی ہیں ؟

علامہ نے فرمایا - اس سوال کا صرف مطلب واضح کروں یا اسے لفظ بہ لفظ دہراؤں ؟ مدرس نے کہا بعینہٖ اس کا اعادہ کرو ۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے لفظ بہ لفظ اسے دہرایا ۔ پھر ساتھ ہی مدرس پر تنقید کی اور اس کی تصحیح بھی خود ہی کی ۔ پھر ایک سوال اپنی طرف سے مدرس موصوف کے روبرو پیش کیا ۔ اور جواب کی دعوت دی ۔ مدرس معذرت خواہ ہوا ۔ اتفاق سے اس مجلس میں بادشاہ کا وزیر بھی موجود تھا ۔ اس نے سائل سے ان کا تعارف چاہا ۔ آپ نے فرمایا مجھے بیضاوی کہتے ہیں ۔ آپ کا نام اور شہرت عام معلوم کر کے وزیر نے آپ کو اپنے قریب جگہ دی ۔ بہت زیادہ عزت سے نوازا اور خلعت فاخرانہ عطا فرمائی [1]

علمی اور ادبی کارنامے | علم ایک ایسا محور ہے جس کے گرد تعلیم و تدریس آفتاب اور تصنیف و تالیف کے مہتاب عقلِ انسانی کے ساتھ گردش کرتے ہیں ۔ ذوق و شوقِ بشریہ سے ان کی روشنی میں چند ضیا دینے والی ضیا پاشیاں ضم لیتی ہیں ۔

علامہ بیضاوی میں تحصیل علم کی خواہش جنون کی حد تک تھی ۔ جس کی وجہ سے انہوں نے دنیائے علم و ادب میں ایسے ایسے تالیفاتی کارہائے نمایاں سرانجام دئے کہ عقل حیران ہے ان کی تمام تالیفات خالصاً علمی ہیں ۔ وہ ہر صنف علم کے ماہر تھے ۔ ہر موضوع پر ان کی تصانیف ملتی ہیں ۔ زندگی نے انہیں درس و تدریس کے لئے فراغت ہی فراغت عطا کی تھی ۔ لہٰذا انہوں نے اس فراغت کا بہترین استعمال کیا وہ اپنی ہر تالیف میں منقول و معقول کی روشنی میں اصولی اور فروعی مسائل کو حل کرتے ہیں [2]

بیضاوی ایک حلیم الطبع قاضی تھے اور ان کی ذات میں وہ تمام خصوصیات سمٹ آئی تھیں جو ایک اعلیٰ پائے کے قاضی کے شایانِ شان ہوتی ہیں ۔ وہ امام بھی ہیں اور عالم بھی ۔ مفسر بھی اور محدث بھی ۔ فقیہہ بھی اور متکلم بھی ۔ غرضیکہ وہ ایک بہترین مصنف اور انتہا درجے کے فصیح و بلیغ ہیں ۔ ان کی تحریر کی شگفتگی اور شستگی بے مثال ہے ان کی تالیفات میں ایجاز بھی ہے اور اعجاز بھی [3] ناقدین کے نزدیک بعض چیزیں تشریح طلب ہوتی ہیں مگر علامہ اس میں بالکل منفرد نظر آتے ہیں ۔ ان کی تحریر میں اس طرح کا اختصار پایا جاتا ہے کہ جس میں ہزاروں مسائل صرف نکتوں سے حل ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کی شخصیت ایک عظیم مفکر کی ہے جو اپنے نظر و فکر کو دوسروں تک کم سے کم الفاظ میں پہنچا دیتا ہے ۔

ذوقِ شعری | ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعر و شاعری سے دور تھے ۔ شعر و ادب پر کوئی ٹھوس اور مستقل کتاب سپرد قلم نہیں کی ۔ لیکن ان سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ علامہ موصوف نے کبھی

---

[1] بیضاوی ۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل ص ۔ ن [2] خواندمیر حبیب السیر ۳/ ۷۷، [3] دائرۃ المعارف اردو ۵/۲۰۷

کوئی شعر یا ادبی نکتہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ خود زندگی بھر کوئی شعر نہیں کہا۔ لیکن اپنی تالیفات میں عموماً اور تفسیر میں خصوصاً کتب ادب اور دواوین شعر سے کئی چیزیں اخذ کیں جو تشریح الفاظ و معنی کے لئے بطور استشہاد پیش کیں۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ شعر فہمی کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے شعراء کے کلام کو صحیح مواقع پر استعمال کیا ہے۔

خوف خدا | خوف خدا اور عشق الٰہی ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دینی مسائل کو حل کرنے وقت جہاں کوئی الجھن پیدا ہو جائے تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہی خوف خدا اور یہی عشق الٰہی ہے کہ مبادا کوئی خلاف شرع بات زبان قلم پر آ جائے۔

تفسیر کے مطالعے سے ان کے مضبوط دینی کردار کا نقشہ نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے وہ خود شافعی المسلک تھے لیکن دوسرے مسالک کو بھی نظر استحسان سے دیکھتے ہیں اور جس بات کو کمزور سمجھتے ہیں خواہ وہ شافعی مسلک سے متعلق ہو اسے ترک کر دیتے ہیں۔ وہ حتی الامکان یہ کوشش کرتے تھے کہ زندگی کا ہر گوشہ احکام خداوندی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو۔

تبریز جا کر انہوں نے تجرد پسندی کو کلی طور پر اختیار کر لیا تھا اور محمد بن محمد الکنجانی کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گئے[1]

تصانیف | بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علمی کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے چونکہ وہ قانون دان تھے اس لئے ان کی زیادہ تر کتابیں انہی علوم میں ہیں۔ مگر نحو، لغت، معانی، بیان، تصوف، حدیث، تفسیر اور تاریخ وغیرہ میں بھی بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں سے بہت کم طبع ہوئی ہیں اور اب اکثر کا تو وجود ہی نہیں ملتا۔ ان کی کتابوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف روایات کو جمع کرنے سے ان کی کل بائیس کتابوں کا پتا چلتا ہے جن میں سے طبع کم ہوئی ہیں۔ تمام کتابیں علوم متداولہ پر ہیں۔ جن میں تفسیر، حدیث، فتاویٰ، ادب، نحو، لغت، منطق، ہیئت جبر و مقابلہ، ریاضی اور سیاسیات شامل ہیں[2] جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر)　　۲۔ منہاج الوصول الی علم الاصول (فقہ)
۳۔ لب اللباب فی علم الاعراب (صرف و نحو)　　۴۔ نظام التاریخ مرتبہ سید منصور حسین مع اردو حواشی حیدر آباد دکن ۱۹۳۰ء
۵۔ الغایۃ القصوی فی درایہ الفتوٰی (دستاویز قانون)　　۶۔ موضوعات العلم و تعاریفہا
۷۔ طوالع الانوار من مطالع الانظار (علم کلام)　　۸۔ مصباح الارواح
۹۔ مختصر الوسط للامام غزالی　　۱۰۔ شرح المصابیح فی الحدیث

---

[1] طرائق الحقائق معصوم علی شاہ ۲/۲۶۴، روضات الجنات۔ محمد باقر ص ۲۳۵ [2] شذرات الذہب ۵/۳۹۳

۱۱۔ تعلیقۃ علی مختصر ابن حاجب ۱۲۔ شرح المحصول
۱۳۔ ایضاح فی اصول الدین ۱۴۔ شرح التنبیہ
۱۵۔ شرح الکافیہ فی النحو ۱۶۔ شرح المطالعہ
۱۷۔ شرح المصابیح امام بغوی ۱۸۔ شرح الاخلاق فی التصوف
۱۹۔ شرح مختصر ابن الحاجب فی الاصول ۲۰۔ شرح المنتخب لامام فخر الدین رازی
۲۱۔ الایضاف فی شرح لشواہد

بحیثیت مفسر قرآن ہر مفسر قرآن کی تفسیر لکھتے وقت اپنا ایک خاص انداز اپناتا ہے۔ اور اپنے ذوق کے مطابق قرآن کے مطالب و معانی بیان کرتا ہے۔ بعض نے صرف احکام قرآن کو موضوع سخن بنایا۔ جیسے ابو بکر جصاص اور ابن العربی نے احکام القرآن کے تحت تفسیریں لکھیں۔ بعض نے فقہی مسائل کے استنباط و استخراج کو مطمح نظر بنا کر اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ بعض نے محدثانہ رنگ اپنا کر اپنی تمام تر سعی صرف کردی۔ اور انہیں جس قدر احادیث، اقوال صحابہ، اقوال تابعین اور اقوال سلف ملے ان کو جمع کر دیا۔ جیسے ابن جریر طبری، ابن کثیر اور جلال الدین سیوطی نے اپنی تفاسیر میں مظاہرہ کیا ہے۔ بعض مفسرین نے مسائل فلسفہ اور دلائل عقلیہ سے تفسیریں لکھیں جیسا کہ فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر۔ بعض نے لغت اور زبان عربی کے خصائص پر عبور رکھنے کی وجہ سے نظم و نسق قرآن سے فصاحت بلاغت کے نکات بیان کئے۔ اور صرفی نحوی استشہاد کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اس کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے بھی اپنے ذوق لسانی کی وجہ سے تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل جیسا شاہکار پیش کیا۔

تفسیر بیضاوی علامہ بیضاوی نے تفسیر لکھنے کا سلسلہ ۶۷۷ھ کے بعد تبریز میں شروع کیا اور اس تفسیر کی ترغیب ان کے روحانی پیشوا محمد بن محمد الکنجانی نے دی۔ چنانچہ انہی کے ایما پر اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنی عظیم الشان تفسیر ضبط تحریر میں لائے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور خفاجی نے حاشیہ علی تفسیر بیضاوی میں تفسیر لکھنے کی وجہ یوں بیان کی ہے۔

فلما اتاہ علی عادتہ ان ھذا الرجل عالم فاضل یرید الاشتراک مع الامیر فی الصعید یعنی انہ یطلب منکم مقدار سجادۃ فی النار وھی مجلس الحکم۔ فتاثر الامام البیضاوی من کلامہ و ترک المناصب ولازم الشیخ الی ان مات وصنف التفسیر باشارۃ شیخہ[لہ]

حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون اک ۱۸۰۔ خفاجی۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی ص ۱

جب امام بیضاوی اپنے پیرومرشد کے ہمراہ وزیرِ مملکت کے پاس آئے تو ان کے پیرومرشد نے وزیر سے کہا۔ یہ عالم فاضل (بیضاوی) خلیفہ سے عہدہ کا طالب ہے یعنی وہ جہنم میں نشست مخصوص کروانا چاہتا ہے۔ امام بیضاوی پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ اس نے عہدے کی خواہش ترک کر دی۔ اور شیخ کی وفات تک ان کی صحبت میں رہ کر آپ نے یہ شہرۂ آفاق تفسیر لکھی۔

روضات الجنات میں تفسیر کے تصنیف کرنے سے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے۔

علامہ بیضاوی جب تبریز پہنچے تو سب سے پہلا کام تفسیر لکھنے کا کیا۔ اور وہ اس سے سلطانِ وقت کی قربت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کو کتاب پیش کی۔ سلطان نے کتاب کی عمدگی کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس کتاب کے بدلے جو جی چاہے مانگو۔ انہوں نے فرمایا اس کتاب کے بدلے میں قضا بیضا عنائت کی جائے تاکہ اہل و عیال کی نگاہوں میں قابلِ احترام ٹھہروں جو مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ سلطان نے ان کو قضا بیضا تفویض فرمائی [۱]

علامہ بیضاوی نے جو وجہ تصنیف خود بیان کی وہ یوں ہے:۔

"میں طویل عرصے تک اس ادھیڑبن میں لگا رہا کہ فنِ تفسیر پر کوئی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں ان تمام نکات کو قلمبند کروں جنہیں صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ان امور کا تفصیل سے ذکر ہو جس کا میں نے خود استنباط کیا ہے اور ساتھ ہی ان شہودات کو بھی بیان کروں اور کہیں کہیں قرأت شاذہ کا بھی ذکر کروں اور اس کا حوالہ دوں۔ لیکن میری کوتاہ علمی اور کم ہمتی اور بے بضاعتی مانع رہی تا آنکہ ایک طویل عرصے کے بعد استخارہ کرنے سے مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ مجھے اپنے اس ارادے کو پورا کرنا چاہئے۔ لہذا میں نے اسے پورا کر کے اس کا نام انوار التنزیل و اسرار التاویل رکھا"

تفسیر کی خصوصیات | علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں متقدمین کی تفاسیر کی وہ تمام خوبیاں جن کی بنا پر وہ مشہور تھیں منتخب کیا اور حکمت و فلسفہ، فقہی مسائل، بلاغتی نکات اور قرأت کے اختلافات بیان کرنے کے باوجود نہایت ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے [۲]

زبان شگفتہ اور شستہ، نپے تلے الفاظ و فقرات جو فصاحت و بلاغت کا نادر نمونہ ہیں۔ اکثر عبارتیں مسجع مقفیٰ ہیں۔ ہر پہلو پہ عالمانہ عقلی بحث کرتے ہیں۔ ایک فقیہہ کی طرح قانونی فیصلے اور فیصلوں میں احادیث سے استشہاد

---

[۱] روضات الجنات ص ۴۳۵، دائرۃ المعارف اردو ۵/۲۸۷　[۲] دائرۃ المعارف اردو ۵/۲۸۷

انتہائی خوبی سے کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک محدث، متکلم، فقیہہ، نحوی اور لغوی معلومات کا انبار لگا رہا ہے۔ پھر اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ قراتوں کا اختلاف ماہر قاری کی طرح بیان کرتے ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ تفسیر زمخشری کی کشاف کی نہج پر لکھی گئی۔ اس کا تجزیہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب الاکسیر فی علوم التفسیر میں کیا ہے جو بہترین تجزیہ ہے۔

"تفسیر بیضاوی ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ اس تفسیر کے وہ مسائل جو معانی، بیان اور اعراب سے متعلق ہیں۔ زمخشری کی تفسیر الکشاف سے ماخوذ ہیں۔ وہ اقوال جن کا تعلق حکمت اور علم کلام سے ہے ان کا بیشترا ماخذ امام رازی کی تفسیر کبیر ہے۔ جہاں تک اشتقاق کا تعلق ہے وہ امام راغب اصفہانی کی تفسیر سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے مسائل قاضی بیضاوی کی اپنی اختراع ہیں۔ اس تفسیر میں انہوں نے معقولات اور منقولات کے دقیق مباحث کو واضح کیا ہے"[1]

مصادر تفسیر | علامہ نے اپنی تفسیر کے مصادر کا کہیں واضح اظہار نہیں کیا۔ البتہ تفسیر کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مصادر سے خوشہ چینی کی ہے۔

کشاف | یہ علامہ زمخشری (متوفی ۵۲۸ ھ) کی شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ آپ نے اعراب و معانی اور علم بیان کا بیشتر حصہ اس سے لیا ہے جس کی وجہ سے بعض ناقدین بیضاوی کو کشاف ہی کا چربہ قرار دیتے ہیں۔

مفاتیح الغیب | یہ امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ ھ) کی ضخیم کتاب ہے اس کی ضخامت کی وجہ سے اسے تفسیر کبیر بھی کہتے ہیں۔ بیضاوی نے اس کی حکمت و فلسفہ اور علم کلام سے استفادہ کیا ہے۔

تفسیر راغب | تفسیر القرآن یا تفسیر راغب، امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۳ ھ) ہے۔ بیضاوی نے اس سے اشتقاق، غو امض، حقائق اور لطائف اشارات کا انتخاب کیا ہے۔

تفسیر ابن عباس | تفسیر کشاف، ابن عربی، مفاتیح الغیب اور تفسیر راغب کے علاوہ تفسیر ابن عباس سے بھی بھرپور اکتساب کیا ہے جس کی جھلک تفسیر بیضاوی میں صاف نظر آتی ہے۔

حدیث | بیضاوی کی تفسیر میں یہ صراحت کہیں نہیں ملتی کہ انہوں نے کن کن کتب احادیث نبویہ سے استفادہ کیا البتہ یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ انہوں نے احادیث کی طرف رجوع کیا۔ رُوِی اور قیل کے الفاظ لکھنے سے ان کی مراد احادیث ہیں۔ صحابہ کرام میں سے ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابوہریرہ۔ حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اور صحاح ستہ میں جامع ترمذی کو بالخصوص مرکز توجہ واجب ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] نواب صدیق حسن خان۔ الاکسیر فی علوم التفسیر صہ ۳۳، ۳۴، اتجاہات التفسیر فی العصر الراہن

قرأت | تفسیر بیضاوی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف علاقوں میں پائے جانے والے مصحف مثلاً مصاحف کوفہ۔ مصاحف حرمین (مکہ و مدینہ) مصاحف بصرہ ان کے سامنے تھے۔ ماہرین قرأت میں سے ناموز قاریوں کے نام کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

حمزہ۔ نافع۔ کسائی۔ عاصم۔ یعقوب۔ ابوعمر۔ ابن کثیر۔ ابوبکر ہشام حفص۔ ابن ذکوان اور قاضی باقون وغیرہ کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے۔

لغت و نحو | اصول لغت و نحو میں سیبویہ کو امام تسلیم کرتے اور ان سے استشہاد کرتے ہیں۔ لغت میں لغت قریش اور لغت بنی تمیم کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ معانی اور بیان میں سیبویہ کے ساتھ ان کے استاد اخفش کا بھی ذکر موجود ہے

ادب | ابو تمام کے حماسہ اور سبع معلقات کے اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔ ابن قتیبہ کی کتاب الشعر والشعراء، کامل للمبرد کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔

علامہ بیضاوی بحیثیت قانون دان | علامہ بیضاوی مسلکاً شافعی تھے لیکن انہوں نے دیگر ائمہ کے مسالک کا بھی خوب مطالعہ کیا ہے۔ ساری عمر عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ مختلف مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے ان کے فیصلے کئے اور اصول وضع کئے جس میں خوف خدا کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھا اور اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتے رہے۔

قبول عام ہونے کی وجہ | تفسیر بیضاوی کے قبولیت عامہ کی وجہ اس کتاب کا اختصار ہے وہاں اس کی جامعیت بھی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں چونکہ زیادہ تر صرف و نحو اور بلاغت کا چرچا رہا۔ اس لئے یہاں اس سے زیادہ تمنا کیا گیا اور یہ شامل درس ہوئی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ علوم کے بغیر قرآن حکیم کی تعلیمات کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ چونکہ علامہ موصوف نے اس تفسیر میں صرف و نحو کو بڑی اہمیت دی ہے اور تراکیب کے ساتھ قرآن کے بلاغتی پہلوؤں کو بھی واضح کرتے گئے ہیں۔ اس لئے اس تفسیر کی بڑی مقبولیت ہوئی۔

اس مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پر جو حواشی لکھے گئے ہیں، ان پر پھر حواشی لکھے گئے ہیں اور ان حواشی پر تعلیقات لکھی گئی ہیں۔ جن کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب الاکسیر فی علوم التفسیر میں مندرجہ ذیل شروح، حواشی اور تعلیقات کا ذکر کیا ہے [1]

حواشی و تعلیقات | ۱۔ نواہد الابکار و شواہد الافکار سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

۲۔ شیخ جمال الدین اسحاق قرمانی۔ المتوفی ۹۳۳ھ ۳۔ ابوالفضل قرشی صدیقی خطیب المتوفی ۹۴۰ھ

۴۔ شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ الاسفرائنی المتوفی ۹۴۳ھ

---

[1] الاکسیر فی علوم التفسیر نواب صدیق حسن خان ص ۴۳، ۴۴، ۴۴، ۴۵

۵۔ شیخ سعد اللہ بن عیسیٰ مشہور بسعدی آفندی المتوفی ۹۴۵ھ
۶۔ شیخ سنان الدین یوسف بن حسام الدین المتوفی ۹۸۶ھ
۷۔ محمد بن عبد الوہاب مشہور بہ عبد الکریم زادہ المتوفی ۹۷۵ھ
۸۔ شہاب الدین خفاجی آٹھ جلدوں میں
۹۔ شیخ ابوبکر احمد بن صائغ حنبلی المتوفی ۷۱۴ھ۔ کتاب کا نام الحسام الماضی فی ایضاح غریب القاضی
۱۰۔ شیخ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی المتوفی ۷۸۶ – ۱۱۔ نور الدین حمزہ قرمانی المتوفی ۷۸۱ھ
۱۲۔ محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین مصطفےٰ قوجوی المتوفی ۹۵۱ھ
۱۳۔ شیخ مصلح الدین مصطفےٰ ابن ابراہیم معروف بابن التمجید
۱۴۔ قاضی زکریا بن محمد انصاری مصری المتوفی ۹۱۰ھ (فتح الجلیل ببیان خفی انوار التنزیل)
۱۵۔ ملا عبد السلام لاہوری المتوفی ۱۰۳۷ھ۔
۱۶۔ شیخ مصطفےٰ ابن شعبان سروری المتوفی ۹۶۹ھ (ان کے دو حاشیے ہیں الکبری اور الصغریٰ)
۱۷۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب ۹۵۵ھ ۱۸۔ منار عوض المتوفی ۹۹۴ھ
۱۹۔ مصلح الدین لاری المتوفی ۹۷۹ھ
۲۰۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی المتوفی ۹۹۸۔ اس پہ عبد الحکیم سیالکوٹی المتوفی ۱۰۶۷ھ نے حاشیہ لکھا۔ پھر اس پہ حافظ امان اللہ بن حسین بنارسی المتوفی ۱۱۳۳ھ کا حاشیہ ہے۔
۲۱۔ تعلیق سید شریف جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ
۲۲۔ تعلیق شیخ الشیوخ سید محمد گیسو دراز گلبرگوی المتوفی ۸۲۵ھ

بروکلمان نے شروح کی تعداد تراسی بتائی ہے اور ان کی فہرست مرتب کی ہے[1]

خلاصہ کلام یہ کہ تفسیر بیضاوی کو امہات کتب تفسیر میں شمار کیا جاتا ہے اور جو شخص قرآن کریم کے مطالب و معانی اس کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہے وہ اس سے ہرگز بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ یہ تفسیر معروف، متداول اور دستیاب ہے[2]

وفات | حافظ ابن کثیر اور سیوطی نے صفدی کے حوالے سے ان کا سن وفات ۶۸۵ھ تحریر کیا ہے لیکن سبکی[3] نے

---

[1] دائرۃ المعارف اردو ۲۸۷/۵ [2] تاریخ تفسیر و المفسرین ص ۲۷۲

[3] البدایہ والنہایہ، التبیان فی علوم القرآن ص ۶۸۵۔ شذرات الذہب ۳۹۳/۵

۱۱ ، ۵ لکھا ہے ۔ ان کو چرنداب کے قبرستان میں دفن کیا گیا ۔ دائرۃ المعارف اردو ۶/۹۹ پر تبریز کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ " چرنداب تبریز کی ایک مضافاتی بستی کا نام تھا[۱] اب وہ تبریز کے اندر ہی شامل ہے

علماء کی آراء | علامہ بیضاوی کے معاصرین کے علاوہ ہر دور کے علمائے کرام نے ان کی دینی خدمات اور بلند پایہ مفسر کی وجہ سے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ۔

قاضی شہبہ طبقات میں لکھتے ہیں :-

" بیضاوی اکثر التصانیف اور آذربائیجان کے علاقے کے عظیم ترین عالم تھے ۔ آپ کو شیراز کا قاضی مقرر کیا گیا تھا

امام سبکی فرماتے ہیں :

" بیضاوی جلیل القدر امام ، بہت بڑے مناظر ، عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے "[۳]

ابن حبیب لکھتے ہیں :-

" تمام اہلِ قلم بیضاوی کی تصانیف کے مداح ہیں اور اگر وہ تفسیر کے سوا اور کوئی کتاب تحریر نہ کرتے تو وہی کافی تھی "

جلال الدین سیوطی بیضاوی کے حاشیہ نواہد الابکار و شواہد الافکار میں لکھتے ہیں ۔

" قاضی ناصر الدین بیضاوی نے کشاف کا بہت عمدہ خلاصہ تیار کیا ہے اور معتزلی نظریات کو چھانٹ دیا ہے اب یہ تفسیر اور اس کے مصنف آفتاب نصف النہار کی طرح معروف و مشہور ہیں "

حاجی خلیفہ[۴] رقمطراز ہیں :-

" بیضاوی بڑے متبحر عالم تھے انہوں نے جملہ علوم و فنون میں جو جوہر دکھائے وہ کہیں تو حسین و جمیل اشارات و استعارات کو بے نقاب کرتے ہیں اور کہیں معقولات کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی کرتے ہیں ۔

مولانا المنشی[۵] لکھتے ہیں :-

اولوا الباب لم یاتوا	بکشف قناع مایتلی
ولکن کان للقاضی	ید بیضاء لاتبلی

ترجمہ ۔ بڑے بڑے عبقری قرآن پاک کی تفسیر کا حق ادا نہ کر سکے لیکن قاضی بیضاوی نے اس کا حق ادا کر دیا ۔

---

۱ دائرۃ المعارف ۶/۹۹ (تبریز) ۲ شذرات الذہب ۵/۳۹۲، ۳۹۳ ۳ ایضاً

۴ تفسیر والمفسرین ج ۱/۳۰۲ ۵ ایضاً

عالَم میں اِنتخاب

مصنوعی اَجزا سے تیار کی جانے والی
اشیاءِ خورد ونوش کے منفی اثرات سے آگاہی کے
بعد نسلِ اِنسانی ایک بار پھر فطرت کے آغوش
میں پناہ تلاش کر رہی ہے۔
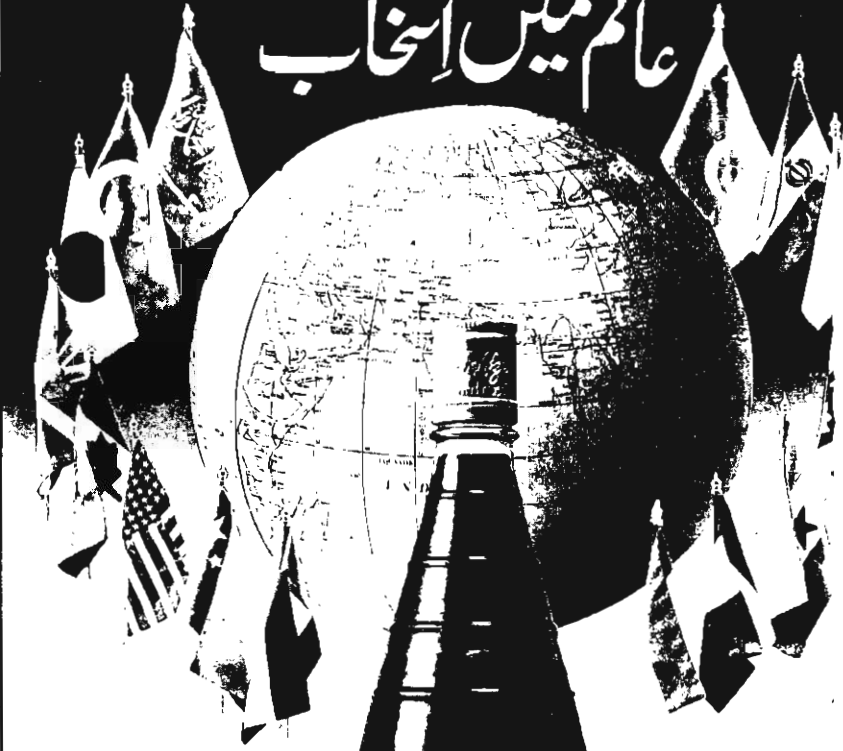
یہی وجہ ہے کہ قدرتی اجزا کا مُرکّب
رُوح افزا اپنی فطری تاثیر، منفرد ذائقے اور
اعلا معیار کی بنا پر اقوامِ عالم میں
روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

Adarts-H

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آگے

محترم جناب عبدالجبار صاحب

سرمایہ دار یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشیں

اس وقت پوری دنیا دو مختلف خطوں، دو تہذیبوں اور دو قسم کے ممالک میں منقسم ہے پہلی قسم وہ ہے جن کے پاس تمام تر سائنسی ایجادات کی اشیاء ہیں اور دوسری قسم کے پاس قدرتی وسائل کی بھرمار۔ پہلی قسم کو ترقی یافتہ ممالک کہا جاتا ہے اور دوسری قسم میں ترقی پذیر بشمول پسماندہ ممالک کا شمار ہوتا ہے ترقی یافتہ ممالک ان داتا، دیوان ہار اور ترقی پذیر ان کی منڈی، ان کے محتاج اور بریون ہار ہیں ترقی یافتہ ممالک مصنوعات بناتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک ان کو خریدنے پر مجبور ہیں ترقی یافتہ ممالک کو ہمیشہ قدرتی وسائل کی تلاش کا سنگین معاملہ درپیش رہتا ہے اور وہ اپنی جدید ٹیکنالوجی اور جنگی ساز و سامان کے بل بوتے پر ایسے ممالک پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے حربے استعمال کرتے رہتے ہیں جو ایک تو منہ مانگے دام پر ان کی اشیاء خریدنے پر مجبور رہیں دوسرے وہ وہاں کے خام مال کو اونے پونے داموں لوٹ مار کے اپنے ملک لے جاتے ہیں یہ ایک ایسا گرداب یا چکر ہے جو کبھی یورپ نے ایشیا کے خلاف اور کبھی ایشیا نے یورپ کے خلاف چلایا اور تاریخ میں کشت و خون کی داستانیں رقم کیں۔

اتفاقاً آج حالات نے ایک بار پھر یورپ اور ایشیا کے مابین ایک مختلف مفادات کی لائن کھینچ دی ہے — تقریباً دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اس وقت یورپ کی سرزمین پر آباد ہیں اور ترقی پذیر ممالک ایشیا میں ہیں۔ اب تاریخ ایک بار پھر ایسے حالات پیدا کر رہی ہے جو بالآخر آج کا جدید انسان بھی اپنی تمام تر روشن خیالی اور سائنسی سوچ و فکر کے باوجود اپنے یورپین یا ایشین انداز فکر سے باہر نہیں نکل سکتا یہ ستم ظریفی ہے یا خوش نصیبی کہ ایشیا میں قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک کی اکثریت مسلمان ریاستوں کی ہے اسلام سے قبل قرون وسطیٰ میں دو مذاہب، عیسائیت اور یہودیت کا غلبہ تھا یقیناً ظہور اسلام سے ان مذاہب کے پیروکار سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ جن یہودیوں اور نصاریٰ کو اسلام پسند نہ آیا انہیں یا تو جنگ کے لیے تیار ہونا پڑا یا پھر وہ نقل مکانی پر مجبور رہوئے۔ اسلام کا انقلاب ان کے تعاقب میں یورپ تک گیا اور یورپ جو چھٹی صدی عیسوی تک "لادین" خطہ کہلاتا تھا عیسائیوں اور یہودیوں کی تبلیغ کا مرکز بن گیا۔

ہمیں انگریزی ادب میں ان گنت ادب پارے ملتے ہیں جن میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی جلا وطنی کا کرب اور اسلام کے خلاف نفرت کا ثبوت ملتا ہے چونکہ اسلام عیسائیت اور یہودیت کی نسبت زیادہ انقلابی مذہب تھا لہٰذا پورا یورپ اسلامی انقلاب کے آگے کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی نہ کر سکا لیکن اس پسپائی کا احساس ہمیں تقریباً ہر یورپین مفکر میں کم وبیش نظر آتا ہے حتیٰ کہ ٹی ایس ایلیٹ جو عصر حاضر کا شاعر ہے وہ بھی اس احساس محرومی سے جان نہیں چھڑا سکا۔ انجام کار ایشیا سے نکلے گئے عیسائیوں اور یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف نفرت نسل در نسل منتقل ہوتی گئی اور آج ہر روشن خیال یہودی یا انسان دوست عیسائی خواہ وہ اقوام متحدہ میں ہو یا اپنے مخصوص ملک کے پالیسی ساز اداروں میں مسلمانوں کے مقابلے میں وہ یہودی اور عیسائی پہلے اور روشن خیال اور انسان دوست بعد میں ہے ایسے انسان دوست اور روشن خیال مفکرین کو سمندر میں عراقی تیل کی بدولت مرا ہوا "بگلا" نظر آتا ہے، لیکن کشمیر، عراق اور سوڈان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی آغوش میں جاتے ہوئے بچے عورتیں، بوڑھے نظر نہیں آتے۔ ان کی انصاف پسندی کے دائرے محدود اور ان کے مقاصد متعین ہیں۔ اس لیے آج ہر مسلمان کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ اپنے اوپر مسلط کردہ پسماندگی، قحط، بھوک، افلاس، آمریت، دہشت گردی اور عالمی غنڈہ گردی کی بنیاد تلاش کرے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ ہم من حیث القوم ایک بار پھر ٹکڑوں میں بٹ کر ان نیلی آنکھوں اور ننگی پنڈلیوں والے عالمی سفاکوں کے دست نگر ہو جائیں جن کی انسان دوستی اور روشن خیالی کے چرچے عام ہیں۔

اس نزاکت کو حتیٰ کہ یورپ کا وہ عظیم طبقہ جو تاریخی اعتبار سے یہودیوں کی سیاہ کاریوں کا بھیدی ہے بڑے واضح اشاروں میں محسوس کر رہا ہے اور وہ مسلمان قوم پر آنے والے کڑے وقت کی منادی بھی کر رہا ہے۔ ہاں البتہ ہماری قوم کا ہر فرد غفلت کی نیند سویا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ہم ذیل میں جناب جوزف بریوڈا کا حوالہ ای آئی آر کا ایک مضمون بعنوان "مشرق وسطیٰ میں مذہبی جنگیں، سرمایہ داروں کا اولین منصوبہ" کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو لاہور کے ایک انگریزی روزنامہ میں شائع ہوا تھا۔ مذکورہ مضمون کے چونکا دینے والے واقعات شاید ہمارے خوابیدہ ذہن کو بیدار کر سکیں۔

صدر جارج بش کے عہدے کی میعاد میں صرف دو روز باقی تھے کہ امریکی، برطانوی اور فرانسیسی جنگی طیاروں نے عراق پر ایک ہفتہ سے کم عرصہ میں تیسری بار حملہ کیا یہ اتنا اشتعال انگیز واقعہ تھا کہ عرب لیگ کو بھی جس نے ۱۹۹۱ء میں عراق کے خلاف جنگ کی حمایت کی تھی یہ کہنا پڑا کہ وہ اس حملہ کو "مسترد" کرتی ہے اور جنگ کا دائرہ بڑھانے پر "افسوس" کرتی ہے یہاں تک کہ سعودی عرب نے بھی اپنے آپ کو اس کارروائی سے دور رکھا اور اسرائیل کی جانب سے فلسطینیوں کی جلا وطنی اور بوسنیا میں سربیائی قتل وغارت سے متعلق اقوام متحدہ

کی قراردادوں پر عملدرآمد کرنے کا مطالبہ کیا۔

برطانیہ اور امریکہ کے چوٹی کے بینکاروں نے پورے عالم اسلام کو ایسے واقعات کے ذریعے آتش کدہ بنانے کے لیے ایک طویل المیعاد منصوبے کا ایک نیا مرحلہ شروع کیا ہے جن میں خونی انقلابات کا اور رجعتی انقلابات اندرونی و علاقائی جنگیں اور بالخصوص مذہبی تنازعات شامل ہیں شمال یعنی ترقی یافتہ ممالک کو عالم اسلام کے بالمقابل لاکر برطانیہ و امریکہ یہ چاہتے ہیں کہ براعظم یورپ اور جاپان کی طرف سے تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ کسی ممکنہ تعاون کے امکان کو ختم کیا جائے۔

امید کی جاسکتی تھی کہ نئی کلنٹن انتظامیہ شاید بش سے منسوب سامراجی حکمت عملی سے روگردانی کرے جیسا کہ اقوام متحدہ عراقی سفیر نظار ہمدون نے خیال ظاہر کیا تھا لیکن کلنٹن کی طرف سے اس حکمت عملی کو تبدیل کرنے کا مطلب اسی اسٹیبلشمنٹ (انتظامیہ) کے خلاف اعلان جنگ ہوگا جس نے گذشتہ موسم بہار میں اس کی حمایت کرنے اور بش کو نیچا دکھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مزید برآں عالم اسلام کو آتش کدہ بنانے کا منصوبہ پہلے پہل کارٹر کی ڈیموکریٹک انتظامیہ کے تحت روبہ عمل لایا گیا جس پر بعدازاں ریگن اور بش کی حکومتوں میں عمل جاری رہا۔ اس حکمت عملی کا خالق پرنسٹن یونیورسٹی کا پروفیسر برنارڈ لیوس ہے جو نئے وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر کا گورو ہے۔

سابق صدارتی امیدوار لنڈن لاروشے نے کلنٹن کی تقریب حلف برداری سے چند روز قبل اس پالیسی کی نئے سرے سے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف بین الاقوامی سطح پر جنگ شروع کرنے کا ایک منصوبہ تیار کیا گیا ہے لاروشے سے منسوب ایک رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس جنگ کیلئے تیاری کے جزو کے طور پر برطانوی و امریکی انتظامیہ نے یہ منصوبہ مرتب کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم کا بازار گرم کیا جائے جیساکہ بوسنیا یا فلسطین کے عوام کے خلاف خونی کھیل کھیلا جارہا ہے اور اس طرح مسلم بنیاد پرستوں کو برسراقتدار لایا جائے اور پھر جب ایک بار یہ سلسلہ چل نکلے گا مثال کے طور پر فرض کریں کہ یہ بنیاد پرست مصر میں برسراقتدار آجائیں تو اینگلو امریکی انتظامیہ یہ اعلان کرسکتی ہے کہ مسلم بنیاد پرست جنونی ہیں وہ تہذیب کے دشمن ہیں اور ہمیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا اور کرنا ہوگا۔

اس پالیسی کے نتیجہ میں مسلم بنیاد پرستی کے خلاف کھلم کھلا جنگ شروع ہوجائے گی اور یہ جنگ فلپائن اور انڈونیشیا سے ہوتی ہوئی میرے خیال میں امریکہ تک پھیل جائے گی اور اس طرح دنیا بھر میں مسلم اقلیتیں سیاسی و مذہبی جور و ستم کا شکار ہو جائیں گی۔ عراق پر حملے کا جائزہ لیتے ہوئے لاروشے نے کہا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ اس امر میں پوشیدہ ہے کہ عراق تیل برآمد کرنے والا واحد عرب ملک ہے جس نے اپنے عوام کے لیے ہر کام تسلسل سے انجام دیا اس نے مزید کہا کہ صدام حسین کے دور حکومت میں عراقی عوام کی آبادی میں اضافہ ہوا ہے اور عراقی عوام

کے تعلیمی معیار اور ان کے اقتصادی حالات وغیرہ میں انتہائی بہتری پیدا کی گئی ہے صدام حسین کی اس پالیسی کا مقصد محض یہ تھا کہ قومی آمدنی کو تعلیم، صحت، صنعتوں میں سرمایہ کاری اور زرعی کاموں وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ چنانچہ اینگلو امریکی کسی بھی عرب ملک کے اس تصور کو ختم کرنے کے درپے ہیں کہ وہ اپنے قد کاٹھ سے بڑھ رہا ہے اپنے مقام سے بلند ہو رہا ہے اور غربت اور جہالت کو ختم کر رہا ہے۔

اشتعال انگیزیوں کا سلسلہ

اس عمل کو شروع کرانے کے لیے اینگلو امریکی ہر جگہ عربوں اور عالم اسلام کو مظالم کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے ان مظالم کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مثلاً:

عراق: اقوام متحدہ کی جانب سے عراق پر تجارتی پابندی عائد ہوئے ۳۰ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے جس کے باعث ہر روز بچوں اور بوڑھوں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہو رہی ہے ڈیڑھ لاکھ سے کہیں زیادہ عراقی ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں ہلاک ہوئے تھے۔ اینگلو امریکی ترجمانوں نے تجارتی پابندیوں اور حالیہ فضائی حملوں کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں اور بین الاقوامی قانون کی پاسداری ہو اور عراقیوں کی طرف سے عراق کی کرد اور شیعہ آبادی کی نسل کشی کو روکا جائے۔ مزید یہ کہ ان ترجمانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ فضائی حملے اس لیے بھی ضروری ہیں کہ عراق نے نو فلائی زون کی خلاف ورزی کی ہے جسے اقوام متحدہ کی بجائے امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے شمالی اور جنوبی عراق پر نافذ کر رکھا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ عراق کیا کرتا ہے یا کیا نہیں کرتا موجودہ پابندیاں اور دیگر تعزیری کارروائیاں جاری رہیں گی، اتحادیوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ عراق کے ساتھ آبرومندانہ مفاہمت تو دور کی بات ہے وہ کسی غیر آبرومندانہ مفاہمت کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ یہ ایسی صورت حال ہے کہ حکومت مصر اور سعودی عرب کو بھی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی زیر قیادت ہونے والی اس کارروائی سے اپنے آپ کو دور رکھنا پڑا ہے۔

بوسنیا: اس وقت لاکھوں بوسنیائی مسلمانوں کو موسم سرما کے دوران بھوک کے علاوہ ایندھن اور پناہ گاہ کی عدم دستیابی نیز جنگ کی وجہ سے موت کا سامنا ہے دنیا بھر میں ٹیلی ویژن پر جو مناظر دکھائے جا رہے ہیں ان میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ سربیائی باشندے جو اجتماعی آبروریزی اور اس سے متعلقہ مظالم ڈھا رہے ہیں وہ نازیوں کے ان جنگی جرائم کے مترادف ہیں جنہیں اسرائیلی اور مغربی ممالک مسلسل دہراتے رہتے ہیں تاکہ عربوں کے خلاف نازیوں جیسے اسرائیلی جرائم پر پردہ ڈالا جا سکے۔

تاہم اقوام متحدہ نے بوسنیا پر جو نو فلائی زون قائم کیا ہے اس پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ سربیائی طیارے اپنے فوجی یونٹوں کے باقاعدگی سے اسلحہ اور دیگر سامان فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ بوسنیائی مسلمانوں کو ہلاک کریں،

مزید براں اقوام متحدہ نے بوسنیا پر تو اسلحہ کے حصول پر پابندی عائد کر رکھی ہے لیکن سربیا کو یونان، رومانیہ اور بعض شہادتوں کے مطابق اسرائیل سے باقاعدگی سے اسلحہ مل رہا ہے اور یہ کوئی زیادہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اس کے برعکس مختلف اسلامی ممالک اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی جانب سے کارروائی کے مطالبات کو اینگلوامریکی اور فرانسیسی ترجمان حسب معمول رد کر دیتے ہیں۔

اسرائیل: اب جنوبی لبنان کی یخ بستہ سردی میں ۴۲۵ فلسطینی بیٹھے ہیں جنہیں اسرائیل کی حکومت نے بغیر سماعت کے اور اقوام متحدہ کے چارٹر، جنیوا کنونشن اور متعدد بین الاقوامی قوانین کے برعکس ملک بدر کیا ہے جس پر اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کو مجبوراً دبنا وٹی طور پر، اسرائیل کی کارروائی کی مذمت کرنا پڑی۔ اسرائیل اقوام متحدہ کے احکام کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادیں اسکی پالیسی پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں اور بقول وزیر خارجہ شیمون پیریز حکومت اسرائیل اپنے فیصلوں پر سختی سے قائم رہتی ہے۔

اس طرح کی اشتعال انگیزیوں کے ساتھ ہی مغربی ذرائع ابلاغ بار بار اسلامی بم کے خطرات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں لیکن عیسائی، یہودی، ہندو بم کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی شرائط نے علاقے کے ہر ملک کے معیار زندگی کو حقیقتاً بری طرح متاثر کیا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ مزید کمی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ مایوسی اور ناامیدی کے شکار عربوں کو مسلسل دھکیلا جا رہا ہے اس اثنا میں سعودی عرب اور ایرانی ایجنٹ امریکی، برطانوی سوچے سمجھے منصوبے پر خفیہ طور پر عمل پیرا ہوتے ہوتے ایک خطرناک جوابی حملے کی تیاری کر رہے ہیں اس ذلت آمیز ماحول میں اگر پر جوش یہودی یروشلم میں مسجد اقصیٰ کو دھماکہ سے اڑا دیں جس کی وہ کئی بار کوشش کرتے رہتے ہیں، تو کیا ہوگا۔ اگر اسرائیل سے روابط رکھنے والی انتہا پسند ہندوؤں کی بھارتیہ جنتا پارٹی بھارت میں مزید مسجدوں کو شہید کرتی ہے جیسا کہ اس نے اجودھیا میں کیا اور جس کے نتیجے میں فسادات ہوئے اور ہزاروں افراد مارے گئے تو کیا ہوگا۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس میں حکمت عملی کے منصوبہ ساز پہلے ہی علاقائی ایٹمی جنگ سے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے سموئیل ہنٹنگٹن نے جن کے بارے میں توقع ہے کہ وہ کلنٹن انتظامیہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں گے، علاقے میں پانچ سال میں ایٹمی جنگ کی دھمکی آمیز پیشین گوئی کی ہے ایک واضح منصوبہ یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک ایٹمی جنگ کرائی جائے یا اسرائیل کی جانب سے اس کے کسی پڑوسی پر ایٹمی حملے کا جواز فراہم کیا جائے۔ برطانیہ نے برصغیر ہند میں ایک دوسرے کی شدید مخالف مذہبی، سیاسی اور نسلی تحاریک پر جو کنٹرول قائم کر رکھا ہے اس نے ہندو مسلم جنگ کے امکان کو بالخصوص تشویشناک بنا دیا ہے۔

برنارڈ لیوس کا منصوبہ

اگرچہ ان پالیسیوں کے درپردہ سوچ کو کبھی بھی منظر عام پر نہیں لایا جاتا تاہم اس منصوبے کے اولین مصنف برنارڈ لیوس نے اس منصوبے کے اہم خدوخال کا انکشاف کیا ہے کونسل برائے خارجہ تعلقات کے خارجہ امور کے جریدے کی خزاں کی اشاعت میں لیوس رقم طراز ہے کہ اس منصوبہ پر جسے اس نے ۱۹۷۰ء میں تیار کیا تھا کس طرح نظر ثانی کی جائے اور موجودہ سرد جنگ کے بعد کی صورت حال میں اس پر عملدرآمد کیا جائے سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر کی وضع کردہ اس پالیسی کا حوالہ دیتے ہوئے جس کے نتیجے میں لبنان ۱۷ سال تک خانہ جنگی کا شکار رہا، لیوس مطالبہ کرتا ہے کہ اس پالیسی پر اب بھی عمل کیا جائے، لبنان کی مذکورہ جنگ میں کیتھولک فلسطینی، شیعہ مسلمان، سنی مسلمان دروز اور یونانی رجعت پسند آبادیوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اسرائیل اور شام کی جانب سے لبنان کو تقسیم کر دیا گیا۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۱

نے کی ہے فرماتے ہیں ،

" ایک زمانہ تھا کہ یورپ کے مسیحی علمائے اسلام سے اپنی کتاب مقدس تورات و انجیل کا درس لینے کیلئے اندلس کا قصد کرتے تھے لیکن اب معاملہ سرے سے الٹ گیا ہے، یعنی خود مسلمان، علمائے مغرب سے اسلام اور تاریخ اسلام کا درس لینے کے لیے یورپ و امریکہ کا سفر کرتے ہیں، ان سے عربی زبان و ادب سیکھتے ہیں، تاریخ اسلام پر لیکچر دینے کے لیے انہیں مدعو کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق مستشرقین کے فرماتے ہوئے کو مستند سمجھ کر اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل کرتے ہیں، جبکہ اہل مغرب اپنے سوا کسی قوم کے علماء و فضلاء کو اپنے مذہب اپنی تاریخ اور اپنے علوم و فنون پر رائے زنی کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور نہ ان کو کسی معمولی و غیر معمولی معاملہ میں مستند مانتے ہیں ۔
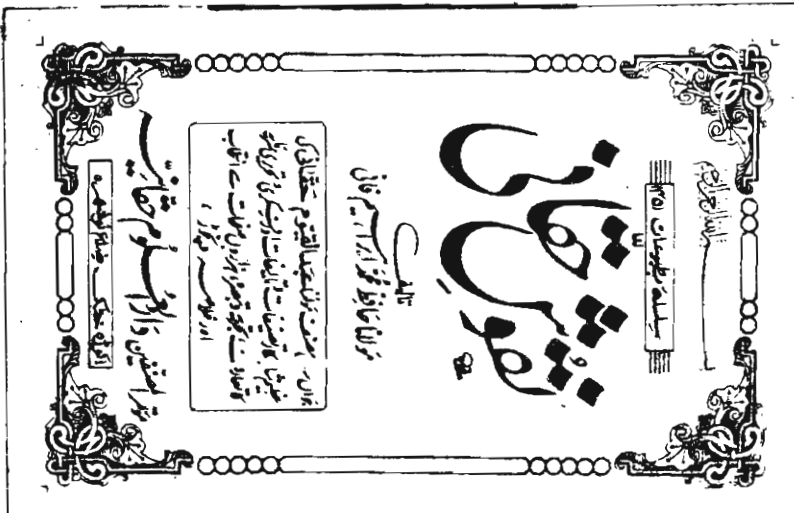
مکتوبِ اعزاز

دارالعلوم کے اکابر اساتذہ میں سے مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ بھی تھے آپ میں تربیت تلامذہ ، نظم ونسق ممتاز حیثیت سے تھا ، انتظامی اور تدریسی امور میں علاوہ ان سے بہت ڈرتے تھے کبھی کبھی حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عینک کچھ دیر کے لئے مجھے دے دیں تاکہ طلبہ پر میرا رعب بھی پڑجائے ۔ مگر طلباء کے ساتھ شفقت بھی بے نظیر تھی اس گناہ کار نے حضرت سے شمائل ترمذی پڑھی تھی ۔ فراغت کے بعد تعلق استوار رہا ۔ کئی گرامی نامہ میری بے احتیاطی سے تلف ہوگئے ۔ آج حسن اتفاق سے یہ گرامی نامہ ملا ۔ جس کا عکس ارسال ہے ۔ یہ خط اس زمانہ کا ہے کہ حضرت مدنی کو نظر بند کرایا گیا اور ماہانہ چندہ اس طرح کم ہوگیا کہ طلبہ کا ماہانہ خرچ اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی محدود رہیں ۔ اس میں ۱ سے مراد سرہند شریف مزار مجدد الف ثانیؒ ہے اور ۲ سے مراد احقر کی مرتبہ کتاب جواہر البخاری ہے ۔

والسلام ۔ مخلص زاہد الحسینی ۱۹ ر ذی قعدہ ۹۳ - ۵ - ۱۲ ء

عزیز مکرم زیدت معالیکم اسلام علیکم ، عرصہ ہوا کہ آپ کے والا نامہ نے شرف صدور سے مشرف فرمایا تھا ۔ اتفاقی طور پر جی سرہند۱ شریف چلا گیا تھا ۔ کئی روز وہاں صرف ہوئے ۔ اس سے زیادہ یہ کہ عرصے سے اطمینان قلب حاصل نہیں ہے ۔ اور مدرسے کے اسباق بھی شروع ہوگئے ہیں ۔ ضعف استعداد کے باعث آپ کو معلوم ہے ۔ کہ اسباق بھی بغیر کافی مطالعے کے انجام دینا مشکل ہے ۔ انہیں وجوہ کی بنا پر والا نامہ کے جواب میں پوری عجلت نہ کرسکا ۔ مجھ کو یہ یاد نہیں ۔ کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا ہے ۔ ۲۷ ر شوال کے پہلے تک میں آئے ہوئے خطوط کے جواب روزانہ روانہ کرتا رہا ہوں ۔ جواب بالکل نہ دینا تو بُری بات ہے ۔ ایسے خطوط کم ہوں گے ۔ جن کا جواب میں نے خط آنے سے دوسرے یا تیسرے روز دیا ہو ۔ اس لیے یہ تو ہوسکتا ہے ۔ کہ آپ کا کوئی خط میرے پاس نہ پہونچا ہو ۔ لیکن اس مرتبہ جس پابندی کے ساتھ جوابات کے روانہ کرنے کا التزام

کیا ہے۔ اس کو خیال کرتے ہوئے مستبعد ہے۔ کہ آپ کا خط آیا ہو۔ اور میں نے جواب روانہ نہ کیا ہو۔

حضرت مولانا مدنی مدظلہ کی مدت اسارت وسط ذی الحجہ میں ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس مدت کے بعد حضرت ممدوح دیوبند تشریف لے ہی آدینگے۔ اس کا پورا ہونا گورنمنٹ کی رائے پر ہے۔ میں نے آپ کے مسودے کے اوراق دیکھے میرے خیال میں آپ کی یہ تصنیف پہلی تمام تصنیفوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اہل علم اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں۔ آپ یقین کریں۔ کہ آپ کی یہ محنت جانفشانی اور بیان کی سلاست کو دیکھ کر دل سے دعائیں نکلیں قادر مطلق آپ کو حیات طویلہ عطا فرما کر اپنی مرضیات کی توفیق بیش از بیش عطا فرماوے۔ شرح عقائد نسفی کے ترجمے کے متعلق میں نے کتب خانۂ اعزازیہ کے مالک صاحب سے بتاکید عرض کر دیا تھا۔ کہ وہ آپ کو واپس کر دیں۔ معلوم نہیں۔ کہ انہوں نے کیوں روانہ نہیں کیے۔ اگر موقعہ ہوا تو میں آج ان سے جا کر پھر عرض کرونگا۔ مناسب یہ ہے۔ کہ آپ بھی ان کو تاکید کے ساتھ لکھیں۔ مسئلہ اور آپ کے متعلق میں نے جو کچھ عرض کیا ہے۔ اگر مناسب نہ ہو۔ تو انہیں کو تقریظ کے کام میں یہی لے آئیں۔ ورنہ مشاہیر علماء کی تقاریظ کے بعد بظاہر ایک ایسے شخص کی تقریر محتاج الیہ نہیں ہے۔ جو کس مپرسی کے عالم میں زندگی گذار رہا ہو آپ کا دعاگو ہوں۔ اور حسن خاتمہ کی دعا کا متمنی ہوں۔ برخوردارم حامد میاں سلام عرض کرتے ہیں۔ ان کے لیے کسی ہدیہ کی ضرورت نہیں۔ اوّل تو خدا کا شکر ہے۔ کہ ان کی ضرورت کی چیزیں سب ہی ان کے پاس ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہدیوں کی صورت میں اولاد میں اچھی خاصی طمع پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ حضرات سے توقع ہے۔ کہ اس کا لحاظ ضرور فرما دینگے۔ والسلام محمد اعزاز علی غفرلہٗ از دیوبند

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ بروز جمعہ

باقی صفحہ نمبر ۵۳

ہونے کے برابر ہیں اور مجھے اس پر خاص طور پر اس لیے بھی خوشی ہے کہ کہ

شامل حجال گل میں ہمارا لہو بھی ہے

یعنی آپ کی ذات کی محنت تو ہے ہی لیکن اس کے علاوہ پروف ریڈنگ میں ناچیز کی سعی بھی شامل ہے

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول

آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

Islamabad

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر

مشائخ اور اکابر علماء کے تاثرات

حضرت العلامہ مولانا محمد طاسین صدر مجلس علمی کراچی

عید الفطر کے تین چار روز بعد سفر کا اتفاق ہوا جب واپس آیا تو میز پر پڑم کتاب کا ایک پیکٹ دیکھا کھولا تو ٹائیٹل پر الحق کا شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نمبر پڑھ کر نہ پوچھیے کہ دل کو کس قدر مسرت اور روح کو کتنی طمانیت ہوئی، بلاشبہ یہ ایک نہایت جلیل القدر ہدیہ اور عظیم تحفہ ہے جس سے آپ نے ازراہ کرم مجھے نوازا جزاکم اللہ احسن الجزاء؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ نے الحق کا یہ عظیم الشان نمبر مرتب و مدون کر کے بہت بڑا علمی کارنامہ انجام دیا اور بڑی سعادت حاصل کی ہے اس سعادت سے بہرہ ور ہونے پر صمیم قلب سے پرخلوص ہدیہ تبریک تہذیب پیش کرتا اور دست بدعا ہوں کہ رب کریم آپ کی عمر، صحت، قوت، عزت، علمی استعداد وصلاحیت، تفقہ در کاوت۔ اظہار مافی الضمیر کی قدرت، اخلاقی عظمت اور دینی استقامت وحمیت میں برکت اور ترقی فرمائے اور اپنی خاص الخاص عنایات سے نوازے!

میں سمجھتا ہوں آپ نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی جامع سوانح حیات مرتب اور شائع کر کے ان ہزار ہا لوگوں پر احسان فرمایا ہے جو ان سے قلبی عقیدت ومحبت رکھتے اور ان کے حالات زندگی کو جاننا چاہتے ہیں اللہ ان سب کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو لوگوں کے لیے ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنائے آمین۔

بلاشبہ الحق کا یہ خصوصی نمبر ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے ظاہری اور باطنی اور معنوی وصوری ہر پہلو سے اپنی مثال آپ ہے مجموعی لحاظ سے اُن تمام نمبروں پر فوقیت رکھتا ہے جو مختلف شخصیات کے متعلق مختلف ماہناموں نے شائع کئے۔

(بارک اللہ لکم وفیکم وشکر مساعیکم)

حضرت العلامہ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ حاجی شاہ اٹک

جناب مدیر صاحب و نائب مدیر ماہنامہ الحق هَنِيْئًا لَكُمْ وَ بُشْرًا كَثِيْرًا آپ دونوں حضرات احقر کی طرف سے دلی ھدیہ تبریک و تشکر قبول فرمادیں جس کے آپ خصوصاً بحاطور پر مستحق ہیں۔ جو ایک انجمن یا ادارے کا کام تھا قدرتِ خداوندی نے آپ سے لیا ہے اس پر آپ حضرات کو سجدۂ شکر بجالانا چاہیئے بموجب قول شیخ سعدیؒ منت منہ کہ خدمتِ سلطان مے کنی ؛ مِنّت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت۔ آپ حضرات نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نمبر شائع کرکے اُمّتِ مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپ کا شائع کردہ نمبر شیخ کے علمی، تحقیقی، دینی، اصلاحی، تاریخی، ادبی، سیاسی وغیرہ مضامین پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری و باطنی محاسن کی بناء پر نمبروں کا شیخ ہے۔ ماضی قریب میں تاحال علمی روحانی و سیاسی وغیرہ شخصیات کے متعلق جو نمبر شائع کئے گئے احقر کی نگاہ میں یہ اُن سب سے فائق و شاندار رہے۔

فَتَقَبَّلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَ نَفَعَ بِهِ الْاُمَّةَ نَفْعًا كَثِيْرًا وَجَزَاكُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔ آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود مصنف تاریخ مدینہ منورہ مکہ معظمہ

مجلہ الحق کا خصوصی شمارہ "شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر" نظر نواز ہوا۔ اس کی صوری اور معنوی زیبائش نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا! ایک عرصہ سے اس کی آمد آمد تھی۔ جب آیا تو "آفتاب آمد دلیل آفتاب" بن کر جلوہ افروز ہوا۔ اور "دیر آید درست آید" کی مثال کو چار چاند لگادیئے۔

یہ اس پیکرِ محبوبی کی حسین یادوں کا تذکرہ ہے۔ جس کی سیادت و قیادت پر علماء و مشائخ کو ناز تھا اور جس مردِ قلندر کے آستانہ عالیہ پر جبہہ سائی کو سلاطین و امراء اپنے لیے مایۂ صد افتخار سمجھتے تھے۔ یہ خصوصی اشاعت اس نابغۂ روزگار شخصیت کے تبحرِ علمی، تفقہ فی الدین، روحانی کمالات اور سیاسی بصیرت کا نہ صرف آئینہ دار ہے۔ بلکہ دین و دانش، علم و ادب اور تاریخ و ثقافت کا مایۂ ناز "انسائیکلو پیڈیا" ہے۔ پاک و ہند میں معرضِ وجود میں آنے والے خصوصی شمارہ جات میں یہ شمارہ یگانہ و فرزانہ اور "فلک صحافت کا بدر منیر" ہے۔

قائد انقلاب، استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق دامت فیوضہم لائق صد تبریک ہیں، جنہوں نے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی قدر کی علمی عظمتوں کا "مینارہ نور" قائم کردیا ہے، جس کی ضوفشانی سے طالبانِ راہ حق کے قلوب منور ہوتے رہیں گے۔ اور علماء طلباء، دانشور، اسکالر، ادیب اور تذکرہ نگار اس سے رہنمائی حاصل کرتے

رہیں گے۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ۔

گلشن علم وحکمت کی جن سدابہار رعنائیوں اور لطافتوں کا ذکر خیر ہے، شیخ الحدیث کے خلف الرشید مولانا سمیع الحق زید مجدہ اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کر رہے ہیں اور اس کی شادابی کو پروان چڑھانے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور ان صدقات جاریات کے تحفظ میں ان کے برادران بھی برابر کے شریک وسہیم ہیں۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

حضرت العلامہ مولانا عبدالقیوم حقانی زید فضلہم کی محنت، کاوش، جاں فشانی خلوص اور ذوق سلیم بھی قابل تحسین و ستائش ہے۔ جنہوں نے بطل حریت، ضیغم اسلام، شیخ المشائخ حضرت ممدوح کی جلوتوں اور خلوتوں کی منظر کشی کا حق ادا کر دیا۔ موصوف کی تدریسی، تبلیغی، ملی وملکی خدمات جلیلہ کو اجاگر کیا۔ اور ان کی علمی اور روحانی مجالس ومحافل کے انوار وتجلیات میں نئی روح پھونک دی۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔

اللہ تعالیٰ مولانا حقانی کی اس سعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اس کے فیوض وبرکات سے خاص و عام کو مالا مال فرمائے۔ ادارہ کی تعلیمی، تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی گراں قدر خدمات کو دن دگنی رات چوگنی ترقی سے سرفراز فرمائے۔

حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب نائب مہتمم نجم المدارس کلاچی

الحق شیخ الحدیث نمبر نے میری کئی راتوں کی نیند چھین لی۔ اول سے آخر تک تقریباً تمام ہی پڑھ ڈالا ہے۔ آپ کی محنت عرق ریزی اور حسن ترتیب کی داد نہ دینا ستم ظریفی ہوگی۔ عنوانات اور مضامین میں جو حسن صناعت آشکارا ہے وہ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ع

بخدا لذت ایں مے نہ شناسی تا نہ چشی

حضرت شیخ امیر المومنین فی الحدیث کی روح انشاء اللہ خوش ہوگی اور ان کی خوشی ہی درحقیقت آپ کی ترقیات کا زینہ ہے مادر علمی حقانیہ کے ساتھ خدا کرے آپ کا خلوص ہمیشہ باقی رہے اور اس میں تزاید ہوتا رہے تاکہ آپ کے علوم ومعارف کے پیمانوں میں بھی وسعت آتی رہے گی۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود ایں ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی ذاتی ڈائری سے آپ نے جو عظیم ذخیرہ نقل فرمایا ہے یہ امت پر بے حد احسان ہے ورنہ یہ مکنون گوہر آپ نے ہم جیسے دور افتادہ گان تک پہنچا دیا۔ کمال یہ ہے کہ نمبر میں کتابت کی غلطیاں بھی نہ

باقی صفحہ ۲۸ پر

پروفیسر سید ازکیا ہاشمی

تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار

ملت اسلامیہ پر جب کبھی کوئی مشکل وقت آیا تو علماء امت نے قوم کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ غیر ملکی تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرنے کی جد وجہد ہو یا شریعت اسلامی کے نفاذ کے لیے اسلامی مملکت کے حصول کی تحریک، یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنی تمام فکری ذہنی اور جسمانی توانائیاں ان مقاصد کے حصول کے لیے صرف کیں۔

اکبر کے نافذ کردہ "دینِ الٰہی" کے ذریعے اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانے کی ناپاک جسارت کی گئی تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے علم جہاد بلند کر کے اسلامی معاشرہ کو ہندو معاشرہ میں مدغم ہونے سے بچا کر اسلام کے تن مردہ میں پھر سے روح حیات پھونکی۔ مسلمانوں کے سیاسی انتشار اور معاشی، سماجی و دینی تنزل کے سبب مرہٹے جب چمن اسلام پر برق و شرر بن کر ٹوٹے تو شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ان کی بیخ کنی کرائی جب ہندو اور انگریز کے جبر و استبداد اور بدعات و رسومات و مشرکانہ عقائد نے مسلم معاشرے کو کمزور کرنا شروع کیا تو حاجی شریعت اللہ نے احیاء اسلام اور نفاذ شریعت کے لیے فرائضی تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو اور انگریز کے تشدد و استحصال سے بچا کر صحیح معنوں میں کتاب و سنت کے متبع بنانے کی سعی بلیغ کی۔ اور جب سکھا شاہی نے شمال مغربی علاقوں میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کیے تو سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے تحریک مجاہدین کے ذریعے اسلامی حکومت کے قیام اور سکھوں کے مظالم کے خلاف علم جہاد بلند کر کے جام شہادت نوش کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب انگریز سامراج نے مسلم اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی تو علماء و مشائخ کی ایک کثیر تعداد نے علم جہاد بلند کیا جن میں مولانا امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اور سیّد احمد اللہ مدراسیؒ قابل ذکر ہیں۔ اس جرم کی پاداش میں ۱۴ ہزار علماء کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔

تحریک ریشمی رومال کے ذریعے تمام ممالک اسلامیہ بالخصوص برصغیر ہند و پاک سے انگریزی اقتدار

کے خاتمہ کے لیے مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسے بوریہ نشین علماء میدان عمل میں کود پڑے اور اپنی قیادت کے ذریعہ اسے رونق بخشی اور قید و بند کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے باوجود آزادی ہند کے موقف پر ڈٹے رہے۔

خلافت کی بحالی کے لیے جب "تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ اور مولانا محمود الحسنؒ نے عظیم قربانیاں دے کر عوام کے اندر سیاسی شعور اور آزادی کا ولولہ پیدا کر کے برطانوی استعمار کو للکارا۔ جب تحریک پاکستان کا مرحلہ آیا تو علماء کرام نے اسلامی مملکت کے قیام کی خاطر آزادی کی منزل کو حاصل کرنے کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت تن من دھن کی بازی لگادی اور قوم کی راہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس تحریک میں جن اکابر علماء نے حصہ لیا ان میں سے مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ اور مولانا حامد بدایونیؒ قابل ذکر ہیں۔

یہ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے مملکت اسلامی کے حصول کے لیے جانی و مالی قربانیاں پیش کیں مگر باین ہمہ وہ ملک و ملت سے کسی صلہ و ستائش اور داد و تحسین کے طالب نہ تھے، انھوں نے زمانے کے گرم و سرد کو برداشت کیا، قید و بند سے گزرے، طوفانوں سے ٹکرائے اور سلطنت برطانیہ کے جاہ و جلال اور جبر و استبداد کا مقابلہ کیا لیکن ہمیں آزادی کی نعمت سے مالا مال کر گئے۔ انہی ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں۔

؎ کفر ناچا جن کے آگے بارہا گھنگی کا ناچ   جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

یہ حقیقت ہے کہ اگر علماء کرام مسلم لیگ کی تائید و حمایت نہ کرتے اور عوام الناس کو ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کے حصول کے لیے آمادہ نہ کرتے تو شاید پاکستان کا خواب اتنی جلدی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور تحریک پاکستان مولانا اشرف علی تھانوی ان علماء حق میں سے ہیں جنھوں نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کی کھل کر حمایت کی آپ کے نزدیک ہندو اور انگریز کی حیثیت ایک ناگ کی سی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"جتنے کافر ہیں سب اسلام کے دشمن ہیں، کوئی گورا ہو یا کالا دونوں ہی سانپ ہیں بلکہ گورے سانپ سے کالا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے اگر گورے سانپ کو گھر سے نکال دیا جائے تو کالا ڈسنے کو موجود ہے جس کا ڈسا ہوا مشکل ہی سے زندہ رہتا ہے۔"

کانگریس اور ہندوؤں کے خلاف ان کے ریمارکس کچھ یوں ہیں فرماتے ہیں۔

"قیامت آجائے ہندو کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے، یہی ہندو تھے جنھوں نے

انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مخبریاں کیں اور ان کو پھانسی پر چڑھایا۔ یہ قوم بڑی احسان فراموش ہے۔ یہ انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں اور اسلام کے دشمن ہیں"۔

اس حقیقت کا علم بہت کم لوگوں کو ہے کہ اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال جو علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے الہ آباد کے اجلاس میں پیش کیا تھا وہی خیال ان سے بہت پہلے مولانا تھانویؒ کئی مرتبہ اپنی مجلس عامہ میں پیش کر چکے تھے بلکہ اس کا مکمل خاکہ اور حصول کا پروگرام بھی بنا چکے تھے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۸ء میں پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں دارالسلام کی سکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی۔ فرمایا جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجرا احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، اور آزادی سے رب العزت کی عبادت کی جائے۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے یہ نتائج کہاں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیے جو اس نظریہ کو لے کر اسلامی مملکت کے قیام کی جدوجہد کرے۔ مولانا دریا بادی کے نزدیک "پاکستان کا تخیل خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں، پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں"۔

اگرچہ آپ نے عملاً کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا لیکن آپ نے مسلم لیگ کی تائید وحمایت کر کے اسے عوام الناس میں متعارف کرایا۔

۱۹۳۵ء میں صرف آپ کے ایک تار کی وجہ سے کہ "کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے" مسلم لیگ کو جھانسی کے علاقہ میں فتح نصیب ہوئی۔ مولانا تھانویؒ نے مسلم لیگ کی تقویت اور اس کی اصلاح کے لیے "مجلس دعوت الحق" قائم کی جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلم لیگ کے لیڈروں کو دینداری کی طرف متوجہ کیا جائے اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو شعائر اسلامی کا پابند بنایا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ مسلم لیگ کے ہر ممبر پر قانوناً شعائر اسلامیہ کی پابندی کو لازم کیا جائے۔ نومبر ۱۹۳۸ء سے اس تبلیغی پروگرام پر عمل درآمد شروع ہو گیا اور اس کی ابتدا قائد اعظم کی تبلیغ سے ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے رفیق قائد اعظم مولانا شبیر احمد عثمانی کو تھانہ بھون بلا کر اس موضوع پر بات چیت کی کہ مسلم لیگ کی کوششوں سے جو سلطنت معرض وجود میں آئے گی اس میں یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ارباب اقتدار دیندار بن جائیں اور اگر "**الناس علیٰ دین ملوکھم**" کے تحت یہ طبقہ اگر دیندار بن جائے تو انشاءاللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

حضرت تھانویؒ قائد اعظم کے قول و کردار پر گہری نظر رکھتے تھے اور جب بھی آپ میں کوئی خلاف شریعت بات دیکھتے اس کی اصلاح کے لیے فوراً وعدہ بھیجتے یا خط لکھتے۔

قائد اعظم مذہب کو سیاست سے جدا سمجھتے تھے۔ آپ نے اس نظریہ کی تردید کے لیے مختلف علماء پر مشتمل ایک وفد بھیجا جس نے اڑھائی گھنٹے کی مفصل گفتگو کے بعد قائد اعظم سے یہ اقرار کرا لیا کہ" دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے"۔ آپ کے تبلیغی وفود کی ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا رہا اور علماء کرام پر قائد اعظم کا اعتماد اس درجہ تک پہنچ گیا کہ ایک موقع پر آپ نے علماء کے وفد سے فرمایا۔

"آج تک تو میں آپ سے سمجھنے کے لیے بحث بھی کیا کرتا تھا لیکن آج کے بعد میں خاموش بیٹھ کر سنوں گا اور مذہبی معاملات میں آپ جو ہدایات دیں گے ان کو تسلیم کروں گا کیونکہ مجھے حضرت تھانویؒ پر پورا پورا اعتماد ہے کہ مذہبی معاملات میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی رائے درست ہوتی ہے"۔

مولانا تھانویؒ نے وفود کے ساتھ ساتھ خطوط کے ذریعہ بھی مسلم لیگ کی حمایت و تائید اور اصلاح و تبلیغ کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کے خطوط کی پوری فائل قائد اعظم کے پاس موجود تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے یہ شکوہ کیا گیا کہ جماعت علماء آپ کی تائید میں نہیں تو قائد اعظم فوراً اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے اور ایک فائل لا کر ان کے سامنے کھولی اور فرمایا۔ آپ پہچانتے ہیں یہ کس کی تحریر ہے؟ انہوں نے فوراً تحریر پہچان کر کہا کہ یہ تو حضرت تھانویؒ کی تحریر ہے۔ اس پر قائد اعظم نے بڑے جوش سے فرمایا کہ: مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس و تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور تمام علماء کا علم و تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں تو اس کا پلڑہ بھاری ہوگا۔ وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں جو چھوٹے سے قصبہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں"۔

مولانا تھانویؒ کی مسلم لیگ کے حلقوں میں مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی وفات پر ۱۴، ۱۷ نومبر ۱۹۴۳ء کو جو تعزیتی قرارداد پاس کی گئی اس میں آپ کی وفات کو امت مسلمہ کے لیے عموماً اور مسلم لیگ کے لیے خصوصاً ایک سانحہ قرار دیا گیا اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت اور وحدت ملی کے لیے آپ کی خدمات جلیلہ کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اور تحریک پاکستان

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تحریک پاکستان میں ایک مخلص راہنما کی حیثیت سے شمولیت آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا وہ درخشاں کارنامہ ہے جسے تحریک پاکستان کو قلمبند کرنے والا مؤرخ ہرگز فراموش نہیں کر سکتا اس سے قبل آپ نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بڑے بڑے شہروں میں زبردست تقریریں کیں۔ اپنے استاد شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے حکم سے ترک موالات پر اپنا ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک زبردست فتویٰ تیار کیا جس سے آپ کی

دمسموم ہو گئی ۔

تحریک ترک موالات، خلافت اور کانگریس میں اگرچہ ہندو مسلم اتحاد کی صورت پیدا ہو گئی تھی تاہم اس آڑ میں اسلامی شعائر و امتیازات کو مٹانے کی بھی ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں۔ ۱۹۲۱ء کے جمیعۃ العلماء ہند کے اجلاس میں بعض حضرات نے ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے کہنے پر شہد کے استعمال سے اجتناب کرنے کا ارادہ ہی ظاہر فرمایا تھا کہ اس پر خدائے قدوس کی بارگاہ سے فوراً آواز آئی " یاایھا النبی لم تحرّم ما احل اللہ لک " (اے نبی! جس چیز کو خدا نے آپ کے لیے حلال کیا ہے اس کو کیوں حرام کرتے ہو، اپنی ازواج کی خوشنودیاں مطلوب ہیں؟) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی چیز کے خود حلال و حرام کرنے کا اختیار نہ تھا تو اور کسی کو کب حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلامی شعائر میں غیر مسلموں کی خوشنودی کے لیے کتر بیونت اور حلال سے ممانعت کی تلقین کرے۔

جمیعۃ العلماء ہند نے جب کانگریس سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیں تو آپ نے جمیعۃ العلماء اسلام کی بنیاد رکھی، جس کے پہلے اجلاس میں (منعقدہ ۱۹۴۵ء) آپ کے تاریخی پیغام کے اہم نکات یہ ہیں؛

۱۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جاتے۔

۲۔ میں ایک طویل مدت کے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنی چاہیے۔

۳۔ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔

۴۔ وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ مسلمانان ہند مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں۔ مسٹر محمد علی جناح سیاسیات حاضرہ کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہیں پھر وہ نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتا ہے۔

علامہ موصوف دو قومی نظریہ کے سخت حامی تھے فرمایا کرتے تھے ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس ۔ث جاری ہے، میرے نزدیک اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت سے انکار کر دیا جاتے۔ دنیا میں مسلمانوں کی جو مختلف قومیتیں ہیں وہ سہولت تعارف کے لیے اپنی جگہ پر قائم ہیں پھر یہ محدود قومیتیں اسلامی قوت کے بحر ناپیدا کنار میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے سارے امتیازات اور

نفرتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس عالمگیر قومیت کا بیان مسلم شریعت کی اس حدیث میں مرکوز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام روحاء میں ایک قافلے نے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون سی قوم ہو؟ جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی ہیں، مکی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا اور کچھ۔ سب سے پہلے قبائلی تعصب رکھنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ "ہم مسلمان ہیں" گویا وطنی اور نسلی تعصب کے سب بت ٹوٹ چکے تھے اور بحر اسلام کے اب کوئی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

اس اساسی نقطہ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قوم دوسری قومیں سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی متحدہ قومیت صحیح معنوں میں بن سکے۔

کانگرسیوں نے جب اس معاہدہ کا سہارا لینا چاہا جو مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین ہوا تھا تو آپ نے انہیں یہ بتلا کر خاموش کر دیا کہ اس معاہدہ میں مسلمان اور یہود کے متعلق "ملة واحدة" کے لفظ نہیں محض "امة واحدة" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس معاہدہ کی اہم دفعہ جسے نظر انداز کیا جا رہا ہے یہ تھی کہ اگر معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہو گا تو آخری فیصلہ وہ ہو گا جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمائیں گے۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے کے لیے تیار ہیں۔

میرٹھ کی مسلم لیگ کانفرنس آپ کی زیر صدارت منعقد ہوئی تو آپ کے خطبہ صدارت نے مسلم لیگ کے حق میں ملک کی کایا ہی پلٹ دی۔ خان لیاقت علی خان مرحوم کی الیکشن میں کامیابی میں آپ کی کوششوں کو بڑا عمل دخل تھا۔

قائد اعظم کے دل میں مولانا عثمانیؒ کی قدر و اہمیت کیا تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ۱۹۴۶ء کی عظیم الشان کانفرنس میں مولانا عثمانی کو جب جاتے قیام سے مقام کنونشن پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی تو قائد اعظم نے آپ کی آمد تک کے لیے کا رروائی اجلاس روک دی۔ اور جس وقت حضرت عثمانیؒ کنونشن میں پہنچے تو ہزاروں کے مجمعے میں قائد اعظم کچھ دیر تک آپ کے استقبال کے لیے بڑھے اور تمام معتقد حضرات باادب کھڑے ہو گئے۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں قائد اعظم کی نظر انتخاب علامہ عثمانیؒ پر پڑی آپ نے علالت طبع کے باوجود پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب ذکوڑی شریف کی معیت میں صوبہ سرحد کے طولانی اور طوفانی دورے کیے اور مسلم لیگ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا جس کے نتیجے میں کانگریس اور سرخپوشوں کو شرمناک شکست ہوئی۔ ریفرنڈم جیتنے کے بعد آپ نے حضرت قائد اعظم کو مبارکباد دی تو انہوں نے فرمایا:

"اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں، میں خواہ سیاستدان سہی مگر آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔"

ان کوششوں کے نتیجہ میں جب ایک آزاد اسلامی ریاست ظہور میں آئی تو جشن آزادی کی پرچم کشائی تقریب

میں قائد اعظم کی فرمائش پر علامہ عثمانی نے ہی پاکستان کا سبز ہلالی پرچم بلند فرما کر پرچم کشائی کی تقریب کا افتتاح کیا اور پہلی دستور ساز اسمبلی میں " تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء " پڑھ کر اجلاس کا آغاز فرمایا۔

مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے علامہ عثمانی کا عظیم تحفہ اور تاریخی کارنامہ قرارداد مقاصد ہے جو پاکستان کے ہر آئین میں بطور دیباچہ شامل چلی آرہی ہے۔ اب تک پاکستان کے دستور قانون میں جو اسلامی دفعات شامل ہوئیں یا آئندہ شامل ہوں گی وہ سب درحقیقت اسی قرارداد مقاصد کی مرہون منت ہے۔ اس کا مسودہ حضرت عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ نے طویل غور و خوض کے بعد مرتب فرمایا تھا اور جسے دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں علامہ کو طویل عملی اور سیاسی جد وجہد کرنی پڑی۔

آج علامہ عثمانی جیسے مایہ ناز قائد اور تحریک پاکستان کے عظیم راہنما کے ساتھ اس قوم کا سلوک ہماری ناقدری احسان فراموشی اور بے حسی کی بدترین مثال ہے۔ آپ کا مزار اسلامیہ کالج کراچی کے ایک کونے میں کس مپرسی کے عالم میں بزبانِ حال یہ پکار رہا ہے۔

؎ اس طرح اہل بزم نے مجھ کو بھلا دیا   جیسے کبھی میں رونق بزم طرب نہ تھا

تحریکِ پاکستان اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی زندگی کا سیاسی دور اس وقت شروع ہوا جب کانگرس ہندوستان سے اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لیے مسلم لیگ کے مقابلہ میں آئی۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے تبلیغی قدم اٹھایا اور اس دوران مولانا موصوف کو تبلیغی وفد کے ساتھ قائد اعظم کے پاس جانا پڑا۔ حضرت تھانویؒ کے حکم سے آپ نے ۱۹۳۸ء کے پٹنہ کے اجلاس میں قائد اعظم سے مذہب اور سیاست کی علیحدگی اور یکجائیگی کے مسئلہ پر بات چیت کی۔ قائد اعظم اس گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ اگلے دن کھلے جلاس میں اعلان کر دیا کہ " اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق و سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ اس لیے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیے۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تحریک پاکستان میں گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ آپ نے ہندوستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں اپنی تقاریر اور عملی جد وجہد کے ذریعے تحریکِ پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جب کانگرسی لیڈر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کی حمایت و امداد کی ترغیب دے رہے تھے کہ "جب کونسلوں اور میونسپلیٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے تو دوسرے معاملات میں کیوں نہیں"؟ آپ نے جواباً فرمایا، " ان محکموں میں ہندو مسلم اشتراک عمل صرف حقوقِ غلامی میں اشتراک ہے، حکومت نے غلاموں کے سامنے روٹی کے چند ٹکڑے ڈال دیتے ہیں کہ ان کو حصہ رسدی تقسیم کر لو۔ ہندو اور مسلمان ان کو حصہ رسدی تقسیم کرتے ہیں اگر کوئی فریق اپنا حصہ نہ لے تو بھوکا مرے گا۔ اس کو اس اشتراک عمل سے جس کا نام جہادِ آزادی رکھا گیا ہے دور کی

بھی نسبت نہیں، کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل، جہادِ آزادی میں اشتراکِ عمل ہے جس پر مذہبی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ موت وحیات کا مدار ہے۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے پہلے الیکشن میں مظفر نگر اور سہارنپور وغیرہ کے حلقہ سے مسلم لیگ کی طرف سے لیاقت علی خان اور کانگریس کی طرف سے مولانا ظفر احمد عثمانی کے ایک قریبی عزیز محمد احمد کاظمی کھڑے ہوتے۔ مسلم لیگ کو ناکام بنانے کے لیے بڑی تیاریاں کی گئیں لیکن مولانا ظفر احمد کو جب لیاقت علی خان کا پیغام ملا کہ "اگر آپ اس وقت مسلم لیگ کی حمایت کے لیے نہ نکلے تو کامیابی دشوار ہے"۔ آپ نے اپنی قرابت داری اور خاندانی مفاد کو نظر انداز کر کے ملی مفاد کی خاطر اپنے عزیز کی مخالفت اور مسلم لیگ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرتے رہے اس کے علاوہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے فتویٰ کہ "کانگرس کی حمایت کفر کی حمایت ہے"۔ نے فضا کو یکسر بدل دیا اور لیاقت علی خان جیت گئے۔ اس تاریخی فتح پر نوابزادہ لیاقت علی خان نے مولانا ظفر احمد کو مبارکباد کا تار بھیجا کہ "میں اس کامیابی پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل اثرات بہت حد تک ختم کر دیئے اور آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بہت باعثِ برکت رہا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس الیکشن کے لیے یہ علماء خود باہر نہ نکلتے اور لیاقت علی خان کی پشت پناہی نہ کرتے تو مسلم لیگ کی شکست یقینی تھی۔

انتقالِ اقتدار کے فیصلہ کے بعد آپ نے علماء کے وفد کے ساتھ قائدِ اعظم کو مبارکباد پیش کی تو انہوں نے فرمایا "مولانا یہ مبارک آپ کو ہے کہ آپ کی کوششوں سے ہی یہ کامیابی ہوئی ہے"۔ مولانا ظفر احمد اپنی روئیداد میں لکھتے ہیں۔ "اسی ملاقات کے دوران قائدِ اعظم نے از خود فرمایا کہ "مولانا، مجھے تو اس وقت بڑا فکر سلہٹ اور فرنٹیئر کے ریفرنڈم کا ہے۔ اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا"۔ ہم نے کہا۔ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو جائے"۔ اس پر قائدِ اعظم آبدیدہ سے ہو گئے اور فرمایا کہ "سرحد پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ بھی مشرقی پاکستان کے لیے ایسا ہی ہے۔ دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو"۔ ہم نے کہا، ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ انشاء اللہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہوگا بشرطیکہ آپ اعلان کر دیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا اور اس کا دستور اسلامی ہوگا کیونکہ فرنٹیئر اور بنگال کا مسلمان سیاسی مصالح نہیں جانتا وہ صرف اسلام کو جانتا ہے اور اسی کے نام پر ووٹ دے سکتا ہے"۔ قائدِ اعظم نے کہا۔ "جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو پھر وہاں اسلامی دستور کے سوا اور کونسا دستور ہو سکتا ہے۔ آپ انہیں اطمینان دلائیں کہ میں نے قوم سے کبھی غداری نہیں کی جو میں نے پہلے بارہا کہا ہے وہ آج بھی کہتا ہوں کہ پاکستان کا نظامِ حیات اسلامی

ہوگا اور اس کا دستور کتاب وسنت کے موافق ہوگا۔ اس پر میں نے سلہٹ اور مولانا شبیر احمد نے فرنٹیئر کے محاذ سنبھالنے کا وعدہ کیا جس پر قائد اعظم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "خدا آپ کو اور آپ کے ذریعہ پاکستان کو کامیاب کرے"

REGD. NO. P_90

AL-HAQ

فرمانِ رسول..

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھُلم کھُلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلات موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سُرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی ۔ باب علامات الساعۃ)